ارشادات حضرت مرزا غلام احمد قادیانیؒ (مجدد صد چہاردہم)

نفع رساں لوگ ہی لمبی زندگی پاتے ہیں

ہر ایک شخص چاہتا ہے کہ اس کی عمر دراز ہو۔ لیکن بہت ہی کم ہیں وہ لوگ جنہوں نے اس اصول اور طریق پر غور کی ہو جس سے انسان کی عمر دراز ہو۔ قرآن شریف نے ایک اصول بتایا ہے۔ جو نفع رساں وجود ہوتے ہیں اُن کی عمر دراز ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو درازیٔ عمر کا وعدہ فرمایا ہے۔ جو دوسرے لوگوں کے لئے مفید ہیں۔ حالانکہ شریعت کے دو پہلو ہیں۔ اوّل خدا تعالیٰ کی عبادت دوسرے بنی نوع سے ہمدردی لیکن یہاں یہ پہلو اس لئے اختیار کیا ہے کہ کامل عابد وہی ہوتا ہے جو دوسروں کو نفع پہنچائے۔ پہلے پہلو میں اوّل مرتبہ خدا تعالیٰ کی محبت اور توحید کا ہے اس میں انسان کا فرض ہے کہ دوسروں کو نفع پہنچائے اس کی صورت یہ ہے کہ اُن کو خدا کی محبت پیدا کرنے اور اس کی توحید پر قائم ہونے کی ہدایت ہے جیسا کہ ترجمہ: ''حق پر قائم رہنا'' (103:3) سے پایا جاتا ہے۔ انسان بعض وقت خود ایک امر کو سمجھ لیتا ہے لیکن دوسرے کو سمجھانے پر قادر نہیں ہوتا۔ اس لئے ان کو چاہئے کہ محنت اور کوشش کر کے دوسروں کو بھی فائدہ پہنچاوے۔ ہمدردی خلائق یہی ہے کہ محنت کر کے دماغ خرچ کر کے ایسی راہ نکالے کہ دوسروں کو فائدہ پہنچا سکے تا کہ عمر دراز ہو۔ اما ماینفع الناس کے مقابل پر ایک دوسری آیت ہے جو دراصل اس وسوسہ کا جواب ہے کہ عابد کے مقابل نفع رساں کی عمر زیادہ ہوتی ہے اور عابد کی کیوں نہیں ہوتی؟ اگرچہ میں نے بتایا ہے کہ کامل عابد وہی ہو سکتا ہے۔ جو دوسروں کو فائدہ پہنچائے۔ لیکن اس آیت میں اور بھی صراحت ہے اور وہ آیت یہ ہے قل ۔۔ ربی لولا دعاؤکم۔ یعنی ان لوگوں کو کہہ دو۔ کہ اگر تم لوگ رب کو نہ پکارو تو میرا رب تمہاری پرواہ ہی کیا کرتا ہے۔ یا دوسرے الفاظ میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ وہ عابد کی پروا کرتا ہے وہ عابد زاہد جن کی بابت کہا جاتا ہے کہ بنوں اور جنگلوں میں رہتے اور تارک الدنیا تھے ہمارے نزدیک وہ بودے اور کمزور تھے۔ کیونکہ ہمارا مذہب یہ ہے کہ جو شخص اس حد تک پہنچ جاوے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی کامل معرفت ہو جاوے وہ کبھی خاموش رہ سکتا ہی نہیں۔ ۔۔۔ وہ اس ذوق اور لذت سے سرشار ہو کر دوسروں کو اس سے آگاہ کرنا چاہتا ہے۔ (ملفوظات۔ جلد پنجم)

اداریہ

خلفاءراشدین کا طرزِ عمل

شرکت فی الامور: خلفاءراشدین اکثر اپنی ذمہ داریوں میں دوسرے اہل الرائے صحابہ کو شریک کار بنالیا کرتے تھے تاکہ امور خلافت کی انجام دہی میں وہ بھی ذمہ دار بن جائیں۔ چنانچہ جب تعین خراج کے معاملہ میں حضرت عمرؓ نے اکابر صحابہ کو مشورہ کے لئے بلایا تو یہ الفاظ فرمائے: **''میں نے آپ صاحبان کو صرف اس لئے تکلیف دی ہے کہ آپ بھی میری امانت میں شریک ہوں۔''**

مساوات: جب کہ دینوی ریاستیں سیاست وحکومت کے ذریعہ دنیا کو اپنا غلام بنا لیتی ہیں اور اپنی قوم کو ہی شرف اور بزرگی کا حق دیتی ہیں اسلام نے صرف تقویٰ کو انسان کا اصلی شرف قرار دیا اور تمام دنیا کے نظریہ کے خلاف یہ صدا بلند کی۔ اصل سرمایہ: **''یعنی تم میں سب سے شریف وہ انسان ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔''** حضرت عمر فاروق اعظم کا قول ہے: ''یعنی مومن کا اصلی مایہ شرف اس کا تقویٰ ہے اس کا دین ہے۔ اور اس کا حسب اس کی مروّت اور اس کا خلق ہے۔''

امتیازی سلوک سے اجتناب: حضرت ابو موسیٰؓ اشعری گورنر عراق نے حضرت عبداللہ اور حضرت عبیداللہ بن عمر کے ساتھ (جو ایک مہم میں شامل تھے) امتیازی سلوک کیا یعنی صدقہ کا مال دے کر کہا کہ اس سے سامان تجارت خرید کر لے جاؤ اصل رقم بیت المال میں جمع کردینا اور منافع خود رکھ لینا'' لیکن جب دونوں صاحبزادگان مال اور نفع لے کر حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے پوچھا کیا ابو موسیٰؓ نے ایسا معاملہ کُل فوج کے ساتھ بھی کیا ہے؟ بولے ''نہیں'' فاروق اعظم نے فرمایا ''میرے لڑکے سمجھ کر اس نے تمہارے ساتھ یہ رعائت کی ہے، اس لئے اصل اور نفع دونوں داخل خزانہ کردو۔ (موطا امام مالک)۔

سادگی اور خاکساری: دَور خلافت میں اگرچہ زمین نے صحابہ کے سامنے زر وجواہرات کے خزانے اُگل کر رکھ دیئے لیکن اس چیز نے اس قدوسی جماعت پر کوئی مخالف اثر نہ کیا۔ انہوں نے اپنی روایتی سادگی اور خاکساری کو مضبوطی سے قائم رکھا یہی وجہ تھی کہ عرب کے غیور فطرت لوگوں نے ان کی تابعداری میں ذلّت اور نفرت محسوس نہ کی۔ صدیق اکبر خلافت سے پہلے محلّہ والوں کی بکریاں دوہ دیا کرتے تھے۔ جب خلافت کا بار اُٹھایا تو محلّہ کی ایک لڑکی نے کہا ''اب وہ ہماری بکریاں نہیں دوہیں گے۔'' شدہ شدہ یہ بات جب آپ تک پہنچی تو فرمایا انشاء اللہ تعالےٰ خلافت میرے قدیمی اخلاق پر اثر انداز نہیں ہوگی۔''

دنیا سے بے رغبتی: ایک روز آپ (صدیق اکبرؓ) نے پانی طلب کیا تو لوگ شہد کا شربت بنا کر لائے پیالہ کو منہ سے لگا کر ہٹا دیا اور رو پڑے لوگوں کے استفسار پر فرمایا ''میں ایک دن حضرت نبی کریم صلعم کے ساتھ تھا میں نے دیکھا کہ آپ کسی چیز کو دھکیل رہے ہیں حالانکہ کوئی دوسرا شخص وہاں نہ تھا میرے سوال پر حضور صلعم نے فرمایا کہ دنیا میرے سامنے مجسم ہو کر آئی ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ میرے پاس سے ہٹ جا چنانچہ وہ ہٹ گئی مگر پھر دوبارہ آئی اور کہا کہ آپ مجھ سے بچ کر نکل جائیں تو نکل جائیں لیکن آپؐ بعد کے آنے والے مجھ سے نہیں بچ سکتے مجھے یہی واقعہ یاد آ گیا اور خوف پیدا ہوا کہ وہ (دنیا) کہیں مجھ سے نہ چمٹ جائے۔ فاروق اعظم کی خدمت میں ایک روز عتبہ بن غزوان گورنر بصرہ حاضر ہوئے دیکھا آپ (حضرت عمرؓ) زیتون کے تیل کے ساتھ روٹی کھا رہے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے انہیں بھی شریک طعام کرلیا چونکہ وہ (عتبہ) پُرتکلف کھانوں کے خوگر ہو چکے تھے یہ لقمہ ہائے خشک ان کے گلے سے نیچے نہ اُترے بولے اے امیر المومنین کیا آپ کو میدے سے رغبت ہے فرمایا ''کیا میدا کل مسلمانوں کو دستیاب ہوسکتا ہے''؟ عتبہ نے کہا نہیں ''بولے کیا تم چاہتے ہو کہ میں دنیا میں ہی کھانے پینے کا مزہ لے لوں''

☆☆☆☆

اعمال کے کاتے ہوئے سوت کو غفلت کی تیز دھاری سے نہ کاٹو اور عہدوں کی پاسداری کرو

خطبہ عیدالفطر، فرمودہ حضرت امیر ڈاکٹر عبدالکریم سعید پاشا ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

مورخہ 5 جولائی 2016ء، بمقام جامع دارالسلام لاہور

اللہ بے انتہاء رحم والے، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے۔

ترجمہ: ''اور اللہ (تعالیٰ) کے عہد کو پورا کرو، جب تم عہد کرلو اور قسموں کو ان کے پکا کرنے کے بعد مت توڑو اور تم اللہ (تعالیٰ) کو اپنا ضامن کر چکے ہو، اللہ جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔ اور اس عورت کی طرح نہ ہو جاؤ، جس نے محنت کر کے کاتا ہوا سوت ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ تم اپنی قسموں کو آپس میں فساد کا موجب بنا لیتے ہو اس لئے کہ ایک جماعت دوسری جماعت سے بڑھ کر ہو۔ اللہ اس طرح صرف تمہیں آزماتا ہے اور وہ ضرور تمہارے لئے قیامت کے دن وہ باتیں کھول کر بیان کرے گا جن میں تم اختلاف کرتے ہو۔''

(سورۃ النحل آیت نمبر 92-91)

سب سے پہلے میں آپ سب کو عید مبارک کہتا ہوں اور اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے ہمیں یہ مبارک روز نصیب کیا اور اس سے پہلے ہمیں ایک نہایت بابرکت ماہ نصیب ہوا۔ گو کہ روزے سخت گرمی میں شروع ہوئے اور گرمی میں ہی ختم ہوئے لیکن اللہ تعالیٰ نے توفیق دی کہ ہم روزے بھی رکھ سکے، اپنی اپنی طاقت کے مطابق عبادات بھی کر سکے، اعتکاف بھی کیا گیا، قرآن، تہجد، نمازیں یہ تمام ادا ہوئے اور یہ محض اللہ کا فضل ہے کہ تمام مشکلات کے باوجود روزے مکمل ہوئے۔ میں اسے رمضان کا معجزہ سمجھتا ہوں۔ جب انسان پختہ ارادہ کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ ناممکن کو ممکن بنا دیتا ہے۔ جب روح کی کھیتی خشک پڑی ہو اور کوئی ارادہ کرلے اس کی دیکھ بھال کرنی ہے تو اللہ تعالیٰ ایک ایسی بارش اپنی رحمتوں کی برساتا ہے کہ دیکھتے ہی دیکھتے وہ زمین جو خشک ہو رہی تھی وہ ہری بھری ہو جاتی ہے۔ اس لئے ہم اللہ تعالیٰ کا جتنا بھی شکر ادا کریں وہ کم ہے۔ آئیں مل کر سورۃ فاتحہ پڑھ کر اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں۔

ترجمہ: ''سب تعریف اللہ کے لئے ہے، (تمام) جہانوں کے رب، بے انتہاء رحم والے بار بار رحم کرنے والے، جزا کے وقت کے مالک (کے لئے) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں تو ہم کو سیدھے رستے پر چلا، اُن لوگوں کے رستے (پر) جن پر تو نے انعام کیا، نہ اُن کے جن پر غضب ہوا اور نہ گمراہوں کے۔''

سوت کاتنے کا مفہوم

خطبہ کے آغاز میں سورۃ النحل کی جو دو آیات پڑھی گئی ہیں ان میں ایک عورت کی مثال دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''اس عورت طرح نہ ہو جاؤ جس نے محنت کر کے کاتا ہوا سوت ٹکڑے ٹکڑے کر دیا''

تو اگر ہم سوت کاتنے کے عمل پر غور کریں تو بکھرے ریشوں کو اکٹھا کر کے چرخے اور ہاتھ سے سوت کاتا جاتا تھا۔ اب فیکٹریوں اور مشینوں میں کاتنے کے لئے اتنی محنت درکار نہیں لیکن اُس زمانے میں جب یہ کاتا جاتا تھا تو کافی محنت درکار ہوتی تھی۔ لیکن پھر بھی لوگ جن میں خاص کر جوان عورتیں کاتتی تھیں۔ رات دن چرخا لے کر مہینوں مہینوں یہ کام سرانجام دیتی تھیں اور بنا کر بیچا کرتی تھیں یا اپنے داج کے لئے تیار کرتی تھیں۔ صوفیانہ کلام میں کاتنے اور چرخے کا ذکر بہت کثرت سے آتا ہے۔ اس لئے کہ اس کا مقصد ہماری زندگی کی طرف توجہ دلانا ہے جس میں اگر ہم ساری عمر کاتتے رہیں تو پھر وہ کپڑا تیار ہوگا جس کو پہن کر ہم اللہ کے سامنے پیش ہوں گے یعنی کہ جو ہم اعمال کریں گے وہی لے کر اللہ کے ہاں جائیں گے اور یہی کاتا کپڑا وہاں ہماری شرمساری کو ڈھانکے گا۔ اس زندگی میں جو ہم محنت آخرت کے لئے کرتے ہیں اس کے بارہ میں بابا بلھے شاہ فرماتے ہیں:

جھوم جھوم چرخیا جھوم تیری کتن والی جیوے

وہ کسی عورت کے بارے میں نہیں لکھ رہے بلکہ وہ اس عمل کے متعلق لکھ رہے ہیں کہ اس کپڑے کو تیار کرلو جو اگلے جہاں جاکر تمہاری عزت رکھ سکے۔ رمضان میں ہمیں اللہ تعالیٰ نے موقع عطا فرمایا کہ ہم نے اس چرخے کو خوب گھمایا۔ قرآن کی تلاوت دعائیں کر کے ایک ایسا کپڑا تیار کیا کہ آج ہماری روحوں نے وہ کپڑا پہن رکھا ہے۔ اس وقت وہ تقویت محسوس کر رہی ہیں، وہ شرمسار نہیں ہیں اور محسوس کرتی ہیں کہ اگر ہمیں اس حال میں جانا پڑ جائے تو شاید ہماری مغفرت ہوجائے۔ لیکن اگر ہم اُس عورت کی مثال کہ جس نے یہ سب کچھ تیار کر کے پھر آہستہ آہستہ اس کو کاٹنا شروع کر دیا تو ہماری تمام عبادات بے سود ہوجائیں گی اور جو محنت ہم نے رمضان میں کی وہ ساری کی ساری ضائع ہوجائے گی۔

عید میں خوشی کا مفہوم

ہم عید کی خوشی اس لئے منا رہے ہیں کہ ہم نے ایک عبادت کا سلسلہ کامیابی سے مکمل کر دیا۔ عید بار بار لوٹ کر آنے والی خوشی کو کہتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ خوشی تھوڑے گھنٹوں کے لئے ہو۔ جب تک بچے نئے نئے کپڑے پہن کر پھر رہے ہوں، ان کو جو عیدی مل رہی ہے اُسے خرچ کر رہے ہوں۔ ہم سب اچھے اچھے کھانے کھا رہے ہوں، رشتہ داروں، دوستوں کو مل رہے ہوں۔ تو پھر کیا اس کے بعد کبھی نہ سوچیں گے کہ ہم نے جیسے نمازیں باقاعدگی سے پڑھیں، ان کو جاری رکھیں گے، ہم نے قرآن پڑھنا شروع کیا تھا اس کو ہم نے جاری رکھنا ہے اور عبادات جو اپنی اپنی طاقت کے مطابق کی تھیں ان میں سے ہم کچھ نہ کچھ ضرور ادا کرتے رہیں گے، اسی طرح ہم نے جو کپڑا کاتا ہے، جو ہماری روح کی تقویت کا موجب بنا ہے، اُس کی حفاظت کریں گے۔ ہم کسی محفل میں چلے جائیں اس میں ہم نے جتنے اچھے کپڑے پہنے ہوں گے اتنے ہی فخر سے گھوم رہے ہوں گے، اگر ہم نے تھوڑے سے بھی میلے کپڑے پہنے ہوں تو اپنے آپ کو چھپاتے پھر رہے ہوں گے۔ تو ہمارا یہ ارادہ ہونا چاہیے کہ جو ہم نے پایا اس کو ہم کھو نہ دیں اور جو ہم نے کاتا اس کو کاٹ نہ دیں۔

دھاگہ دھاگہ مل کر کپڑا بنتا ہے۔ یہی حال جماعتیں بننے کا ہوتا ہے، فرد فرد مل کر ایک جماعت بنتی ہے۔ لیکن اگر اسی جماعت میں تفرقہ آنا شروع ہو جائے تو پھر جماعت کا حال بھی وہی ہو جاتا ہے جو کاتے کپڑے کو کاٹ دینے کے بعد ہوتا ہے۔

عہدوں کی پاسبانی

جو آیات میں نے تلاوت کی ہیں ان میں ایک دوسرا پہلو یہ ہے:

ترجمہ: ''اور اللہ تعالیٰ کے عہد کو پورا کرو اور قسموں کو ان کے پکا کرنے کے بعد مت توڑو اور تم اللہ تعالیٰ کو اپنا ضامن کر چکے ہو۔ اللہ جانتا ہے جو تم کرتے ہو''۔

اس لئے اپنے آپ کو، اپنی جماعت کو جو آج یہاں جمع ہے میں یہ کہوں گا کہ **اپنی بیعت کی حفاظت کرو، بیعت ایک بہت بڑا عہد ہے** جو ہم نے اس زمانے کے امام کے ہاتھ پر کیا۔ آج میں آپ سب کو جو نصیحت کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اس عہد کو نبھاؤ جو اس جماعت میں داخل ہوتے وقت آپ نے کیا اور اس میں جو دس شرائط بیعت ہیں ان پر توجہ دو۔ ہم نے عہد کر رکھا ہے کہ جب تک ہم فوت نہیں ہوں گے ہم شرک سے باز رہیں گے، نمازیں قائم کریں گے، تہجد اپنی طاقت کے مطابق ادا کریں گے، سچ بولیں گے، کوئی خطرہ آجائے تو بجائے پیچھے ہٹنے کے اور آگے بڑھیں گے، ساری دنیا کے رشتوں سے بڑھ کر جو ہمارا اللہ کے ساتھ رشتہ ہے اس کو مقدم رکھیں گے۔ دین کو دنیا پر مقدم رکھیں گے۔ یہ اُن شرائط میں سے چند ہیں۔ ان کو کبھی دوہرایا کریں تاکہ ہمیں پتہ چلے کہ اتنا بڑا عہد جو ہم نے کرلیا ہوا ہے اسے ہم کتنا نبھا رہے ہیں۔

عہدوں کا نبھانا

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **''اور اللہ تعالیٰ کے عہد کے متعلق سوال ہوگا''**، ہم سے پوچھا جائے گا کہ جو وعدے کیے وہ نبھائے یا نہیں۔ ہم انفرادی وعدے کرتے ہیں اور قومی وعدے بھی کرتے ہیں۔ انفرادی وعدے تین قسم کی ہوتے ہیں مثلاً

یہ کہہ دینا کہ میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں یا بغیر قسم اٹھائے عہد کر لینا۔ مومن کی زبان سے کہی بات بھی عہد کا درجہ رکھتی ہے۔ کیا ہم اپنے وعدوں کا انفرادی یا قومی سطح پر پاس رکھتے ہیں؟ قومی عہد میں ہم سب مسلمان ہیں جتنے یہاں احباب بیٹھے ہیں ان کو میں بتلا دوں کہ ہم سب مسلمان ہیں۔ ہم کسی کو کافر نہیں کہتے اور نہ کسی کو ہمیں کافر کہنے کا حق ہے۔ یہ عزم کی راہیں ہیں بہت مشکلات ہیں ہماری بیعت میں یہ عہد شامل ہے کہ ہم کسی مشکل میں پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ کلمہ شہادۃ بھی ایک عظیم عہد ہے۔ ہم نے کلمہ شہادۃ پڑھا، اللہ کو ایک مانا، لاشریک اس کو کہا، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا بندہ اور اس کا رسول مانا، اس لئے اللہ کا حکم اور اس کے رسول کے فرمان اور نمونہ پر چلنا ہمارے لئے عہد ہے اس کے متعلق ہم سے سوال ہوگا۔

بیعت سلسلہ ایک عہد ہے

بیعتِ سلسلہ بھی ایک عہد ہے جس کو عموماً ہم وہ اہمیت نہیں دیتے جو اُس کا حق ہے اور جس کے متعلق بھی باز پرس ہوگی۔ ہم بھول جاتے ہیں کہ بیعت کے دوران ہم کلمہ شہادۃ پڑھ کر آئے ہیں، ہم استغفار کر کے آئے ہیں لیکن ہم بیعت کرتے ہی اس کی خلاف ورزی شروع کر دیتے ہیں۔ اس طرف توجہ دیں اور یاد رکھیں کہ جب مسلمانوں نے اپنے عہد نبھائے، کلمہ طیبہ کی پاسبانی کی، تو اسلام نے اپنا عروج پایا اور جب عہد شکنی کی تو زوال آ گیا اور آج اس کا نتیجہ ہم دیکھتے ہیں۔ ہم ٹیلی ویژن پر روزانہ جو تباہ کاریاں اور تخریب کاریاں ہو رہی ہیں وہ دیکھتے ہیں اور اب تو حالت یہ ہوگئی ہے کہ مکہ اور مدینہ میں بھی تخریب کاری کی خبریں آنے لگ گئی ہیں۔

کوئی مقام محفوظ نہیں رہا، نہ بچے، نہ بوڑھے، نہ مرد نہ عورت، نہ عبادت گاہیں، نہ سکول۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی وعدہ خلافی کرنے والوں کا حساب لینا شروع کر دیتا ہے۔ **بعض مسلمان مسلمانوں کو کیوں مار رہے ہیں؟ تخریب کاری کیوں کر رہے ہیں؟** وہ اس لئے کہ وہ اپنا عہد لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ عملاً بھول چکے ہیں۔ نہ اللہ کے حکم اور نہ رسول صلعم کے نمونہ پر چل رہے ہیں۔

دعا

میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اسلام پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آج ہم اپنی جماعت کے لئے خاص طور پر دعا کریں اور اللہ تعالیٰ سے التجا کریں کہ اے اللہ ہماری جماعت کی حفاظت فرما، اس کو بڑھا اس کو دنیا میں پھیلا اس لئے نہیں کہ ہم اپنی تعداد گن گن کر خوش ہوں بلکہ اس لئے کہ ہم تیرے پیغام کو دنیا میں پہنچتا ہوا دیکھ رہے ہوں۔ اس جماعت کے راستوں میں جو رکاوٹیں ڈال دی گئی ہیں وہ صرف تیری ہی طاقت سے ہٹ سکتی ہیں ورنہ فتوے دینے والے اپنی فطرت بدلتے ہوئے نظر نہیں آتے۔

یا رب العالمین اس ملک میں بہت مسائل ہیں انہیں اپنے ہاتھوں بدل دے۔ اس ملک کو امن والا ملک بنا دے۔ اس کو اسلام کے نمونہ پر ملک بنا دے جس کے لئے یہ بنایا گیا، اس دنیا کو حفاظت عطا فرما، بہت سے لوگ بیمار ہیں سب کو تو صحت عطا فرما، طالب علم اپنی اپنی طاقت کے مطابق محنت کر رہے ہیں تو ان کو کامیابی عطا فرما، ہماری مساجد، ہماری املاک جو چھن گئی ہیں ان کی واپسی کی راہ میں جو رکاوٹیں ہیں ان میں ہماری مدد فرما، ہماری تمام تر کوششوں کو کامیاب کر، یا رب العالمین تو ہر فرد کی دعا کو قبولیت عطا فرما، جو عبادات کی گئیں ان کو قبولیت عطا فرما، تو ہر ایک کی ضرورت، ہر ایک کی دلی خواہش، اس کی مالی مشکلات اور اسکے جو گھریلو مسائل ہیں سب تو ہی جانتا ہے تو سب کی مدد فرما۔ ہماری اولادوں کو نماز قائم کرنے والا اور اس جماعت کے خادم بنا، بے اولادوں کو اولاد کی نعمت سے نواز اور جن کو اولاد دی ان اولادوں کو صالح اور نیک بنا۔ ہم میں سے جن کے والدین زندہ ہیں تو ان کی زندگیاں بڑھا، جن کے فوت ہو گئے ہیں ان کے درجات بلند فرما، سب کے گناہ معاف فرما۔ ہماری عاجزانہ دعاؤں کو سن اور قبول فرما۔ آمین

☆☆☆☆

تاریخ اسلام کے درخشاں ستارے۔ حضرت عثمان غنیؓ

خطبہ حضرت مولانا محمد علی رحمتہ اللہ علیہ

تشہد وتعوذ کے بعد حضرت مولیناؒ نے سورۃ شریفہ الفاتحہ کی تلاوت کی اور فرمایا کہ مجھے اب حتّی الوسع اختصار سے کام لینا ہے۔ حضرت عثمانؓ کے حالات اس خطبہ میں، اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا، تو حضرت علیؓ کے حالات اگلے خطبہ میں اجمالاً بیان کروں گا۔ حضرت عثمانؓ کی مالی خدمات صرف حضرت ابوبکرؓ کے بعد ہیں۔ دوسرے کسی صحابیؓ کو اس قدر روپیہ نبی کریمﷺ کی زندگی میں خدا کی راہ میں خرچ کرنے کا موقع نہیں ملا، جس قدر حضرت عثمانؓ کو ملا ہے۔

ذوالنورین کا خطاب: مسلمانوں کو عام طور پر ہجرتیں کرنا پڑیں۔ ایک حبش کی طرف۔ جو بعثت کے پانچویں چھٹے سال میں ہوئی۔ اور دوسری مدینہ کی طرف۔ حضرت عثمانؓ نے بھی پہلے 5 بعثت نبوی میں حبش کی طرف معہ اپنی بیوی یعنی حضرت نبی کریمﷺ کی صاحبزادی رقیہؓ ہجرت کی۔ جنگ بدر کے ایام میں حضرت رقیہؓ کا انتقال ہو گیا۔ اور نبی کریمﷺ نے اپنی دوسری صاحبزادی کا نکاح آپؓ سے کر دیا۔ اس لحاظ سے آپؓ کو ذوالنورین کہا جاتا ہے۔

مالی خدمات: حضرت عثمانؓ کی مالی خدمات مدنی زمانہ میں زیادہ نمایاں ہوئی ہیں۔ اس سے پیشتر بھی آپؓ شاید صاحبِ ثروت مسلمانوں میں سے تھے۔ لیکن مدینہ پہنچ کر معلوم ہوتا ہے کہ آپؓ کی تجارت زیادہ چمک اُٹھی۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپؓ کو مال سے زیادہ حصہ دیا۔ مدینہ میں آپ کے ایثار کے تین بڑے کارنامے مشہور ہیں۔ پہلا کام تو یہ ہے کہ جب مسلمان مدینہ پہنچے، تو مدینہ میں میٹھے پانی کا کنواں صرف ایک ہی تھا۔ جو بیئر رومہ کے نام سے مشہور تھا۔ یہ کفار کے قبضہ میں تھا۔ اور وہ مسلمانوں کو گراں قیمت پر پانی دیتے تھے۔ نبی کریمﷺ نے اس خواہش کا اظہار فرمایا کہ کوئی مسلمان اس کنویں کو خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کر دے! حضرت عثمانؓ نے 35 ہزار دینار دے کر کنویں کو خریدا۔ اور وقف کر دیا۔ دوسرا ایک بڑا مالی کارنامہ مسجد نبوی کی توسیع ہے۔ پہلے جس جگہ مسجد نبوی تعمیر ہوئی، وہ بہت چھوٹی تھی۔ پھر مسلمان بڑھنے لگے۔ مسجد کے ساتھ کچھ خالی زمین پڑی ہوئی تھی۔ نبی کریمﷺ نے فرمایا کہ کوئی مسلمان اس خالی جگہ کو خرید کر مسجد میں شامل کر دے۔ حضرت عثمانؓ نے اس خواہش کو پورا کیا۔ تیسرا واقعہ اس لشکر سے تعلق رکھتا ہے، جو جیش کہلاتا ہے۔ اور جس کو سرحد شام کی طرف بھیجا گیا۔ حضرت عثمانؓ نے اس میں ایک ہزار دینار اور تین سو اونٹ اور بعض کے نزدیک ایک ہزار اونٹ دیئے۔ یہ سب سے بڑی امداد تھی۔

خدا کی راہ میں ایثار کرنے والے تاجر یہ تین باتیں آپؓ کی مالی نصرت میں بالخصوص قابل ذکر ہیں۔ آپ تاجر تھے۔ اور تاجر کو روپیہ بڑا عزیز ہوتا ہے۔ فی الحقیقت کامیاب تاجر وہی ہوتا ہے، جس کو روپیہ بہت عزیز ہو۔ حضرت عثمانؓ بھی ایک کامیاب تاجر تھے۔ آپ کو روپیہ عزیز ہونا چاہیئے۔ لیکن یہ لوگ خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے بڑے دریادل تھے۔ آج ہمارے سامنے ہندوؤں کی مثالیں تو آجاتی ہیں کہ ہندوؤں نے اتنے لاکھ روپیہ خیراتی کاموں میں دیا۔ ابھی کل کی بات ہے کہ ٹاٹا نے تین کروڑ روپیہ کا وقف قائم کیا ہے۔ لیکن مسلمانوں کی مثالیں آج کم ہی دیکھنے میں آتی ہیں۔ یہ درست نہیں کہ مسلمان تاجر مالدار نہیں۔ مالدار تو ہیں، مگر دل میں وہ ایمان نہیں۔ ایک وقت مسلمانوں میں اس کی بہت سی مثالیں ملتی تھیں۔ اب خدا کی راہ میں دینے سے عموماً گھبراہٹ ہوتی ہے۔ شاید یہ خیال ہو کہ اگر خرچ کر دیا تو پچھلوں کو تکلیف ہوگی! لیکن کوئی نہیں جانتا کہ کون کتنے کروڑ چھوڑ گیا۔ اور پچھلوں کی ناسمجھی سے وہ برباد ہو گئے! دنیا بھی اسی کا ذکر کرتی ہے، جو خدا کی راہ میں دیا جائے۔

آنحضرت صلعم کی جسمانی فتوحات: یہ تو آپؓ کی مالی قربانی کا ذکر

ہے۔آپؓ کی خلافت کے زمانہ میں عام طور پر خیال ہے کہ فتوحات بند ہو گئیں۔یہ صحیح نہیں۔اس میں شک نہیں کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ کی فتوحات اس قدر نمایاں اور اہم ہیں، کہ ان کے بعد جو فتوحات ہوئیں، وہ ان کے سامنے اتنی نمایاں اور اہم نظر نہیں آتیں۔حضرت عمرؓ کے زمانہ کی فتوحات دنیا کے عجائبات میں سے ایک عجوبہ تھیں۔ایک چھوٹی سی کتاب A Short History of the World ایچ جی ویلز نے لکھی ہے۔ اس میں آنحضرت ﷺ کے متعلق دو تین صفحات ہی ہیں۔مگر نہایت ناپاک الفاظ سے بھرے ہوئے۔کل میں اسی وجہ سے اس کو دیکھ رہا تھا۔ اتفاق سے جہاں پر آنحضرت ﷺ کا ذکر ہے، وہاں سے اگلا صفحہ جو الٹا کر دیکھا، تو وہ ان الفاظ سے شروع ہوتا ہے:

"There follows the most amazing story of the conquest in the whole history of our race."

یعنی اب نسل انسانی کی تاریخ میں سب سے زیادہ حیرت انگیز فتوحات کی کہانی شروع ہوتی ہے۔یہ چھوٹا سا اعتراف نہیں، جو ایک بدترین دشمن کے منہ سے ہوتا ہے! وہی شخص، جو نبی کریم ﷺ کے متعلق ایسے بُرے کلمات استعمال کرتا ہے، وہ بھی اسلامی فتوحات کو تاریخ عالم کا سب سے بڑھ کر حیرت انگیز واقعہ قرار دیتا ہے۔میں نے پچھلے خطبہ میں کہا تھا کہ حضرت عمرؓ فاتحین عالم میں ہی سب سے بلند مرتبہ نہیں رکھتے، بلکہ نظم ونسق ملکی میں بھی وہ بے مثال ہیں۔اور اس کے علاوہ بھی بہت سی خوبیاں ہیں، جن سے فاتحین عالم عاری ہیں۔مگر حضرت عمرؓ کے اندر وہ جمع ہو گئی ہیں۔بہر حال آپ کی فتوحات کے تاریخ نسل انسانی میں سب سے بڑھ کر ہونے کا اعتراف سخت ترین دشمن کو بھی ہے۔

آنحضرت ﷺ کی روحانی فتوحات: کمال یہ ہے کہ دشمن ہی نہ صرف آنحضرت ﷺ کی فتوحات جسمانی کو تاریخ عالم میں سب سے اوپر رکھتا ہے، بلکہ آپؐ کی فتوحات روحانی کو بھی سب سے بلند مرتبہ دیتا ہے۔انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں قرآن کے مضمون میں آپؐ کے متعلق یہ الفاظ لکھے ہیں:

"The most successful of all the religious personalities of the world."

یعنی دنیا کی مذہبی شخصیتوں میں سب سے زیادہ کامیاب انسان۔دیکھئے اب دشمن ہی سے یہ بھی خراج وصول ہوتا ہے کہ اخلاقی اور روحانی اصلاح کے رنگ میں بھی آپؐ سب سے بڑھ کر ہیں۔اور جسمانی فتوحات کے لحاظ سے بھی آپؐ کا پایہ سب سے بلند تسلیم کیا گیا۔کیا کوئی مذہب اس قسم کی تاریخ ہماری آنکھوں کے سامنے پیش کر سکتا ہے؟ نقل کرنے کو تو بہت لوگ کر لیتے ہیں۔آریوں کو تو ویدوں کے رشیوں کے نام نہ ملے، تو انہوں نے سوامی دیانند کے نام کے ساتھ مسلمانوں کی نقل کر کے بھی سید البشر اور کبھی خیر البشر لکھنا شروع کر دیا۔اتنا نہ سمجھا کہ سید البشر اور خیر البشر نام رکھنے سے کوئی نہیں کچھ بنتا، بلکہ وہ دنیا کا اعتراف ہوتا ہے، جو کسی انسان کے آگے خود جھک جاتی ہے۔اور یہ اعتراف محمد رسول اللہ ﷺ کے سوا اور کسی کو نصیب نہ ہوا!

اسلامی سلطنت کی وسعت: یکم محرم 22ھ کو حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے۔اس کے چھ ماہ بعد ایران میں بغاوت ہوگئی۔شاہ ایران کو اگرچہ شکست ہو چکی تھی، لیکن وہ ابھی زندہ تھا۔حضرت عثمانؓ کی خلافت کے آٹھویں سال میں فوت ہوا۔تو اس وجہ سے جب تک بادشاہ زندہ تھا، وہاں بغاوت ہو جانا بالکل معمولی بات تھی۔آپ نے اس بغاوت کو فرو کیا۔اور اس کے ساتھ اس مملکت کو فتح کرتے ہوئے مشرق کی طرف یہاں تک وسعت دی کہ ترکستان کو بھی فتح کیا۔اور چین تک پہنچ گئے۔ادھر غزنی، کابل اور ہرات کے حاکموں نے آپ کی اطاعت اختیار کی۔شمال کی طرف حضرت عمرؓ کے زمانہ میں صرف شام ہی کا علاقہ فتح ہوا تھا۔حضرت عثمانؓ کی خلافت کے دوسرے سال قیصر روم نے پھر شام پر حملہ کر دیا۔آپ نے نہ صرف اس حملہ کو روکا، بلکہ شمال کی طرف بڑھ کر ایشیائے کوچک، طفلس اور آرمینیا کا تمام علاقہ فتح کر لیا۔اور ایک طرف ایران کے ساتھ جا ملے اور دوسری طرف گویا قسطنطنیہ کے دروازوں تک پہنچ گئے۔آپ کی خلافت کے دوسرے سال قیصر روم نے سکندریہ پر حملہ کر دیا۔ان کے پاس بحری طاقت زیادہ تھی۔حضرت عثمانؓ کی افواج نے نہ صرف سکندریہ کو دوبارہ فتح کیا، بلکہ اسلامی افواج جنوب کی طرف بڑھتی ہوئی برقہ اور طرابلس کو فتح کر کے بالآخر مراکش اور الجیریا تک ہسپانیہ کے عین جنوب میں پہنچ گئیں۔یہ حضرت عثمانؓ کی فتوحات ہیں۔اور یہ برابر سات آٹھ سال تک چلتی ہیں۔

عبداللہ بن سبا کا فتنہ: اس کے بعد وفات سے تین چار سال پہلے وہ فتنہ اُٹھتا ہے، جو مسلمانوں کی فتوحات کو روکنے اور حضرت عثمانؓ کی شہادت کا موجب ہوا۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کا اصل موجب ایک شخص عبداللہ بن سبا تھا۔ جو یمن کا رہنے والا ایک یہودی تھا۔ یہ شخص یمن سے نکلا اور جتنے اسلامی صوبے تھے بصرہ، کوفہ، مصر وغیرہ، ان سب میں پھر نکلا۔ شام میں حضرت معاویہؓ بڑے زبردست حاکم تھے۔ اس لئے وہاں اُسے ٹھہرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ باقی مقامات میں پھر کر اس نے بڑا فتنہ پھیلایا۔ اور اپنے ساتھ طاقتور جماعت پیدا کرتا گیا۔ اس فتنہ کا ظاہری اور دنیوی رنگ میں حضرت عثمانؓ کے گورنروں کی شکایتیں کرنا تھا۔ مذہبی رنگ اس لئے یہ اختیار کیا کہ لوگوں میں یہ بات پھیلائی کہ خلافت کے اصل حق دار حضرت علیؓ تھے۔ حضرت عثمانؓ غاصب ہیں۔ لوگوں میں ایسی باتوں کا اثر پہلے بھی کچھ تھا۔ حضرت ابوبکرؓ کے وقت حضرت علیؓ نے چند دن تک بیعت نہیں کی تھی۔ حضرت فاطمہؓ وراثت کے مقدمہ میں اپنے خلاف فیصلہ کی وجہ سے ناراض ہوگئیں۔ ان چھوٹی چھوٹی باتوں کو لے کر ابن سبا نے ایک عمارت کھڑی کر لی۔

حضرت عثمانؓ کی تحقیقات: غرض جب یہ فتنہ پھیلا۔ اور گورنروں کی شکایتیں آنا شروع ہوئیں، تو حضرت عثمانؓ نے صحابہؓ کو بلا کر مشورہ کیا۔ اور کہا کہ مجھے تو کوئی شکایت نظر نہیں آتی۔ لیکن پھر بھی تحقیقات کے لئے چار آدمی مقرر کئے۔ جنہوں نے تمام صوبوں میں جا کر تحقیقات کی۔ ان میں سے ایک یعنی محمد بن ابوبکرؓ اس پروپیگنڈا سے متاثر ہو کر سفر میں ہی رہ گئے۔ اور باقی تینوں نے آ کر رپورٹ کی کہ تمام شکایات غلط ہیں۔ لیکن پھر بھی حضرت عثمانؓ نے احکام جاری کئے کہ سارے گورنر اگلے سال حج کے موقعہ پر آئیں۔ چنانچہ وہ آئے اور آپ نے برسر عام لوگوں سے کہا، کہ جس کسی کو کچھ شکایات کسی گورنر کے متعلق ہوں، وہ بیان کرے۔ لیکن کوئی نہ بولا۔ جس سے معلوم ہوا کہ تمام پروپیگنڈا جھوٹا تھا۔

حضرت معاویہؓ کی پیشکش: حضرت معاویہؓ بڑے صاحب فراست تھے۔ انہوں نے حالات کو دیکھ کر بھانپ لیا کہ حضرت عثمانؓ کی جان کی خیر نہیں۔ اور کہا کہ یا تو میں کچھ فوج شام سے بھیج دیتا ہوں، جو آپ کی حفاظت کرے۔ اور یا آپ مدینہ کو چھوڑ کر دمشق کو دارالخلافہ بنالیں۔ حضرت عثمانؓ نے جواب دیا کہ مدینہ کو تو میں چھوڑ نہیں سکتا۔ جس جگہ کو نبی کریم ﷺ نے اپنی جائے رہائش بنایا، اس سے میں کس طرح قطع تعلق کر سکتا ہوں؟ رہا فوج کا آنا۔ میں اپنی جان کی حفاظت کے لئے بیت المال پر بار ڈالنا نہیں چاہتا۔ اس جواب کو سن کر حضرت معاویہؓ افسوس کرتے ہوئے چلے گئے۔

سازشیوں کا مدینہ پر حملہ: اس کے بعد بصرہ، کوفہ اور مصر تینوں مقامات کے سازشی گروہوں نے، جنہوں نے یہ فتنہ اُٹھا رکھا تھا، وقت مقرر کر کے مدینہ پر خاموشی کے ساتھ قبضہ کرنے کی تیاری کی۔ لیکن قبل اس کے کہ شہر کے اندر داخل ہوں، اہل مدینہ کو اطلاع ہوگئی، اور وہ مسلح ہوگئے۔ جب وہ پہنچے تو یہ حال دیکھ کر کچھ نہ کر سکے۔ اہل مدینہ ان کے خلاف ہتھیار اُٹھانا نہ چاہتے تھے۔ اُدھر ان سازشیوں کا بھی لڑائی کا منشا نہ تھا۔ یہ ایک وقت تھا کہ مسلمان کے دل میں مسلمان کی زندگی کی عزت تھی۔ اور ان کے دل میں یہ خیال تھا کہ مسلمان کے خلاف تلوار نہ اُٹھانی چاہیے۔ جب سے یہ خیال مسلمانوں کے دل سے نکلا، وہ کمزور اور تباہ ہوتے جارہے ہیں۔

سازشیوں کی ایک اور چال: یہ تینوں سازشی گروہ چند دن یہاں رہے۔ اور آخر حضرت عثمانؓ سے عرض کیا کہ اور تو ہم تمام اعتراضات واپس لیتے ہیں، اور معافی مانگتے ہیں، لیکن ایک مصر کے گورنر کو معزول کر کے اس کی جگہ محمد بن ابی بکرؓ کو مقرر کیا جائے۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ نے اس مضمون کا پروانہ لکھ کر انہیں دے دیا۔ یہ پروانہ لے کر وہ چلے گئے۔ مدینہ سے بصرہ، کوفہ اور مصر کو جاتے ہوئے کچھ دور تک تو راستہ مشترک ہے۔ آگے تینوں راستے الگ الگ ہو جاتے ہیں۔ انہوں نے یہ سازش کی کہ مشترک رستہ سارا طے کر کے اپنے اپنے رستہ پر پڑلیں۔ تاکہ مدینہ والوں کو کوئی شبہ نہ پیدا ہو۔ اور پھر تینوں واپس لوٹ آئیں۔ اور مدینہ پر قبضہ کر لیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ مدینہ والوں کے لئے اب موقعہ نہ رہا تھا کہ ان کا مقابلہ کر سکیں۔ اس دوبارہ حملہ کا بہانہ انہوں نے یہ بتایا کہ حضرت عثمانؓ نے ایک پروانہ تو ہمیں دیا، اور ایک قاصد الگ پروانہ دے کر بھیجا ہے کہ جو شخص اس پروانہ کو لے کر پہنچے، اسے قتل کر دو۔ حضرت عثمانؓ نے انہیں کہا کہ نہ میں نے کوئی پروانہ لکھا ہے، اور نہ قاصد بھیجا ہے۔ جب یہ لوگ یہی بہانے بنا کر علیؓ کے پاس آئے، تو انہوں نے فرمایا کہ

یہ دوسرا پروانہ تو مصر والوں نے پکڑا ہوگا، مگر واپس تینوں گروہ اکٹھے کیسے آ گئے؟ اس کا ان کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔

حضرت عثمانؓ گھر میں محصور ہو گئے: مگر مدینہ پر ان کا قبضہ ہو چکا تھا۔ اور انہوں نے یہی کہا کہ حضرت عثمانؓ خلافت سے دستبردار ہو جائیں، ورنہ ان کی جان کی خیر نہیں۔ اس کے بعد حضرت عثمانؓ مسجد میں کچھ مدت آتے رہے۔ ایک دن آپ نے خطبہ کے بعد ان مقامات کے نام لے کر، جہاں جہاں ان سازشیوں کے ڈیرے تھے، فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فلاں فلاں مقام کے لشکروں پر لعنت کی ہے۔ اس پر بڑا فتنہ برپا ہوا۔ یہاں تک کہ حضرت عثمانؓ کو چوٹ بھی آئی۔ اور آپ گر پڑے۔ وہاں سے آپ کو اپنے گھر پہنچایا گیا۔ جہاں جا کر محصور ہو گئے۔ اس حالت میں حضرت علیؓ، طلحہؓ اور زبیرؓ نے اپنے اپنے بیٹوں کو آپ کے دروازے کی ڈیوڑھی پر بٹھا دیا۔ کہ ایسا نہ ہو سازشی مکان کے اندر گھس جائیں۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت: کچھ دیر تک تو اسی طرح حالت رہی، آخر حج کا موسم آیا۔ اور بہت سے لوگ حج کو چلے گئے۔ فتنہ پرداز گروہ نے سوچا کہ اب موقعہ ہے۔ دروازہ کی گارڈ پر انہوں نے حملہ کیا۔ پہلے تو گارڈ والوں نے مقابلہ کیا۔ پھر دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ یہ حال دیکھ کر وہ پچھلی طرف سے کسی اور مکان کے اوپر سے ہو کر حضرت عثمانؓ کے مکان کی چھت پر چلے گئے۔ اور وہاں سے نیچے اتر کر ایسی حالت میں کہ آپ قرآن کریم پڑھ رہے تھے، آپ کو شہید کر ڈالا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ۔

اس سے آگے پھر وہ مسلمانوں کا فساد شروع ہوتا ہے، جس نے مسلمانوں کی طاقت کو دو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا۔ اور ان کی فتوحات رک گئیں۔ ورنہ مسلمانوں کی فتوحات خدا جانے کہاں تک پہنچتیں، اور دنیا کے کون کون سے حصے ان کے زیرِ نگیں آتے!

حضرت عثمانؓ کی آخری تقریر: محصور ہونے کی حالت میں حضرت عثمانؓ نے ایک موقعہ پر کوٹھے پر کھڑے ہو کر ایک تقریر کی۔ یہ لوگ اپنی خدمات کو پیش کرنے کے عادی نہ تھے۔ لیکن اس موقعہ پر اس رنگ میں آپ نے فرمایا کہ کیا تم کو معلوم ہے کہ بئر رومہ (میٹھے پانی کا کنواں) کس نے خریدا تھا؟ لوگوں نے کہا۔ آپ نے۔ فرمایا۔ آج اس کا پانی میرے لئے بند ہو گیا۔ پھر کہا۔ تم کو یاد ہے کہ مسجد نبوی کی توسیع کس نے کی تھی؟ لوگوں نے کہا آپ نے۔ فرمایا آج اس مسجدِ نبوی میں میرے لئے نماز پڑھنا حرام ہے!

معمولی باتوں کو بڑا نہ بناؤ: یہ لوگ دراصل عادی نہ تھے اپنی خدمات کو پیش کرنے کے۔ لیکن اس رنگ میں آپ نے بتایا کہ جس شخص نے اتنے عظیم الشان کام کئے، چند معمولی باتوں پر تم نے اس کو تباہ کرنے کا سامان کر دیا۔ فی الحقیقت معمولی معمولی باتوں پر ہی دنیا میں فساد ہوتے ہیں۔ اگر انسان کی خوبیاں سامنے رہیں، تو کبھی شکایتیں پیدا نہ ہوں۔ معمولی شکایات اگر پیٹھ پیچھے پھیلانے کے بجائے منہ پر کہہ دی جائیں، تو آسانی سے رفع ہو سکتی ہیں۔ میں اپنی جماعت سے بھی کہتا ہوں کہ وہ معمولی معمولی باتوں کو بڑا بنا کر پھیلانے کی کوشش نہ کریں۔ اعتراض پہلے بھی ہوتے تھے اور منہ پر ہوتے تھے۔ حضرت عمرؓ کے سامنے، جب آپ خطبہ دے رہے تھے، ایک شخص اُٹھتا ہے اور کہتا ہے لَا سَمۡعًا وَلَا طَاعَةً. میں نہیں سنتا اور نہیں مانتا۔ پہلے مجھے یہ بتایا جائے۔ یمن سے جو چادریں آئی تھیں، ان میں سے ایک چادر آپ کے حصہ میں آئی تھی، جس سے آپ کا کرتہ نہ بن سکتا تھا۔ لیکن آپ کے جسم پر جو کرتہ ہے وہ دو چادروں کا بنا ہوا ہے۔ دوسری چادر کہاں سے آئی؟ آپ نے اپنے بیٹے کی طرف اشارہ کیا۔ جنہوں نے اُٹھ کر جواب دیا کہ دوسری چادر میں نے اپنے حصہ کی اپنے باپ کو دے دی۔ معترض بیٹھ گیا۔

اعتراض منہ پر ہونا چاہیے: غرض اعتراض کرنا کوئی بُرا نہیں۔ لیکن اعتراض یہ ہے کہ منہ پر کہے۔ منہ پر اعتراض سُننا بڑے آدمیوں کو ناگوار نہیں ہونا چاہئیے۔ پیٹھ کے پیچھے کہنا یہ غیبت ہے۔ ''کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے، جس سے تمہیں کراہت ہو؟'' (12:49) غیبت کرنا مردہ بھائی کا گوشت کھانا ہے۔ انسان کو چاہئیے کہ جو کچھ کہے، منہ پر کہے کہ فلاں نقص ہے، فلاں عیب ہے اور اس کی یوں اصلاح ہونی چاہیے۔

(پیغامِ صلح 11 مئی 1932ء)

☆☆☆☆

میری مرضی کا ایک شخص

ملک بشیر اللہ خان راسخ

فرمان مسیح موعودؑ ہے:

’’اگر ایک شخص بھی زندہ طبیعت کا نکل آوے اور ہمارے کہنے پر عمل کرنے والا ہو تو وہ بھی کافی ہے۔‘‘

اس تحریر کے دو الفاظ احباب جماعت کے لئے قابل غور ہیں۔ ان پر افراد جماعت کا دھیان اور توجہ ہونی ضروری ہے۔ وہ لفظ ’’زندہ طبیعت‘‘ اور ’’عمل کرنے والا‘‘ ہیں۔ ہم ساٹھ ساٹھ سالہ زندگی تو گزار لیتے ہیں اور اس زندگی میں امام وقت کی پیروی کے دعویدار بھی ہوتے ہیں لیکن اس ساری زندگی کا تجزیہ کیا جائے تو ہمارا تعلق امام وقت سے کمزور دھاگے سے بھی کمزور ہے وہ اس طرح کہ جو شرائط مضبوط پیوند لگانے کی ہیں ان پر ہم دھیان ہی نہیں کرتے۔ ہم امام وقت کی تعلیمات کو نہ تو بغور پڑھتے ہیں اور نہ عمل میں لے کر آتے ہیں۔

اس کی مثال میں اپنی ذات کو سمجھتا ہوں۔ میں خود ایک کمزور شخص اس سلسلہ سے کچے دھاگے سے بندھا ہوا ہوں۔ پکی مضبوط گرہ اب تک اس لئے مجھ سے نہیں لگ سکی کہ ابھی نہ تو 60 برس میں طبیعت کی وہ زندگی جو مسیح موعود چاہتے تھے پیدا ہو سکی ہے اور نہ مسیح موعودؑ کے اکھاڑوں (کہنے) پر دھیان ہوا ہے اور نہ ہی عمل لیکن لطف کی بات ہے کہ پھر بھی احمدی ہوں مگر خالی خالی اور دعویٰ بھی ہے کہ احمدی ہوں اور لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ بھی پڑھتا ہوں اور مسلمان ہونے کا دعویدار بھی ہوں۔ لیکن یہ دعویٰ ایمانی خالی باتوں پر انحصار کرتا ہے جو حقیقی عمل اس کے لئے درکار ہے اس سے میں اپنے آپ کو تہی دست سمجھتا ہوں۔

اگر انسان کے ہاتھ میں اک حقیقی آئینہ ہوتا جہاں صرف اپنی اصل تصویر شکل وصورت نظر آتی رہتی تو بگڑی صورت بگڑے خیالات بگڑی شخصیت ضرور نظر آتی رہتی اور پھر محبوب کا بھی خیال ہوتا تو ضرور اپنا بناؤ سنگھار کرتے جیسا کہ ازل سے دنیاوی عشق میں عاشق، معشوق کے لئے بناؤ سنگھار کرتا ہے، دنیاوی عشق ومحبت میں شیشہ اور آئینہ کی ہمت اور حوصلہ بھی قابل دید ہوتا ہے کہ روزانہ بڑی بڑی دیر تک عاشق ہو یا محبوب اُس کے بناؤ سنگھار کو برداشت بھی کرتا ہے اور ڈانٹ ڈپٹ بھی خاموش زبان سے کرتا ہے کہ مانگ سیدھی ہے کہ ٹیڑھی، چہرہ ٹھیک ہے کہ نہیں۔ ظاہری لباس سے متعلق اور چہرہ سے متعلق صاف صاف بالمقابل سچ سچ بتا دیتا ہے۔ اسی طرح حقیقی آئینہ آپ کی قلبی مانگ، نفس کے لباس اور اندرون نفس کے بناؤ سنگھار سے متعلق سچ سچ بتا دیتا ہے۔

یہ حقیقی آئینے مجدد اعظم نے اپنی ہر کتاب، ہر ورق میں حقیقی طلبگاروں کے لئے مفت رکھے ہوئے ہیں ’’اور اُن کے کہنے پر عمل کرنے والا ہو تو غور کرے آپ کیا کہتے ہیں کہ کیا کریں‘‘ اصل یہی تو کمی اور فقدان ہے ہر شخص مجھ سمیت اس حقیقی آئینہ کو لینے سے گریزاں ہے کے باطن کھل نہ جاوے۔ ہمارے بند قبا کھلے بھی ہوں تو فرصت نہیں کہ اپنے اپنے گریبان میں کسی فارغ وقت میں نظر ڈال کر دیکھیں کہ امام زمانہ کے کہنے پر کس حد تک عمل کی سعی کی ہے۔ ہر قوم کو ناز ہے کثرت پر، کثرت پر ناز جو کرتے ہیں اور کرتے تھے۔ تاریخ میں اُن کا حشر جلی حروف میں نوشتہ دیوار ہے اور مسیح موعودؑ فرماتے ہیں ’’ایک شخص بھی زندہ طبیعت کا نکل آوے‘‘ طبیعت میں زندگی نہایت عجیب معاملہ ہے۔ آپ تو اب اس دنیا میں نہیں رہے لیکن اسباق کو نصاب زندگی بنا کر دے گئے۔ آپ کو تو الحمد للہ اپنی زندگی میں ’’اپنی مرضی اور منشاء‘‘ کے سینکڑوں، ہزاروں لوگ مل گئے تھے اور اُن سے رسم وفا بھی کئی سنین تک چلتی رہیں اور سلسلہ میں قلوب کو محبتیں ملتی رہیں، رفتہ رفتہ اندرونی بیرونی سیلابوں نے چھوٹے بڑے طوفانوں نے کچھ ایسا نقصان

برپا کیا کہ وفائیں آہستہ آہستہ زخمی حالت میں دم توڑتی گئیں۔ اگرچہ امید کو ترک نہیں کیا جاسکتا اور ایک ہی راستہ بچا ہے کہ اپنی اپنی مرضی کو چھوڑ کر مسیح موعودؑ کی مرضی کو قبول کرلیں اور اپنی خواہشات کو ترک کردیں۔

ہمیں اگر کسی قسم کی پارسائی کا علیت کا اولیائی کا زعم ہے تو غلطی پر ہیں یہ سب تکبر کے خاندان سے رشتہ استوار کرتی ہیں کیونکہ امام وقت کی مرضی کچھ اور ہے اور ہماری مرضی کچھ اور ہے۔ ہمیں اب اسی زمانہ میں بہت غور وخوض کرنا ہے کہ مرزا صاحب کی مرضی کا آدمی کون ہے اور کس کو دعویٰ ہے یا وہ دریں دل یہ خیال کرتا ہے۔ آپ کی مرضی ''10 شرائط بیعت''، آپ کی کتب، آپ کے ملفوظات'' آپ کی منزل کی طرف کی جانے والی پگڈنڈی نہایت پرخطر اور خاردار اور ہیبت اور وحشت ناک جنگلوں سے گزرتی ہے۔ اس منزل پر پہنچنے کا شرف جنہوں نے امام زمانہ کی زندگی میں حاصل کیا تھا وہ آپ کو معلوم ہوگا معلوم نہیں تو کتب پڑھیں۔ تحریرات پڑھیں، پہلا مسافر، توکل کا سردار حکیم مولوی نورالدین رحمتہ اللہ علیہ اور پھر کئی صاحبان عظیم، جن کے نقش پا پر اب تک عشق حقیقی میں بہنے والے خون کے تروتازہ نشان موجود ہیں۔

حضرت مسیح موعودؑ جو زندہ طبیعت ہم میں چاہتے ہیں اس کی ایک جھلک مسیح موعودؑ کی تحریر سے پیش کررہا ہوں۔ اس دعا کے ساتھ کہ خدا ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں: ''پس جو شخص مجھ سے سچی بیعت کرتا ہے اور سچے دل سے میرا راہرو بنتا ہے اور میری اطاعت میں محو ہوکر اپنے تمام ارادوں کو چھوڑتا ہے وہی ہے جو ان آفتوں کے دنوں میں میری روح اُس کی شفاعت کرے گی۔ تم خدا کی آخری جماعت ہو سو وہ نیک عمل دکھلاؤ جو اپنے کمال میں انتہائی درجہ پر ہو۔ ہماری کشتی نوح کا بار بار مطالعہ کرو اور اسی کی ہدایت پر ہدایت کے مطابق عمل کرو۔ اور چاہیے کہ جماعت کے بزرگ جو نفس پاک رکھتے ہیں میرے بعد میرے نام پر لوگوں سے بیعت لیں۔ اللہ جلشانہ نے قرآن مجید میں اولیاء اللہ کی پانچ علامتیں لکھی ہیں جب تک وہ پانچوں علامتیں کسی میں نہ پائی جائیں تب تک وہ ولی اللہ نہیں ہوسکتا اور قبل اس کے جو کسی کی ولایت کو شناخت کیا جائے اُس سے بیعت کرنا جائز نہیں۔ اور چاہیے کہ تم بھی اپنے نفسوں کو پاک کرنے سے روح القدس سے حصہ لو اور بجز روح القدس کے حقیقی تقویٰ حاصل نہیں ہوتا۔

یاد رکھو حقیقی اخلاق فاضلہ جن کے ساتھ نفسانی اغراض کی کوئی زہریلی آمیزش نہیں وہ اوپر سے بذریعہ روح القدس آتے ہیں سو تم ان اخلاق فاضلہ کو محض اپنی کوششوں سے حاصل نہیں کرسکتے۔ جب تک تم کو اوپر سے اخلاق عنایت نہ کیے جائیں اور ہر ایک جو آسمانی فیض سے بذریعہ روح القدس اخلاق کا حصہ نہیں پاتا وہ اخلاق کے دعویٰ میں جھوٹا ہے اور اس کے پانی کے نیچے بہت سا کیچڑ ہے اور بہت سا گوبر ہے جو نفسانی خواہشوں کے وقت ظاہر ہوتا ہے۔ سو تم خدا سے ہر وقت، قوت مانگو جو اس کیچڑ سے اس گوبر سے تم نجات پاؤ اور روح القدس تم میں سچی طہارت اور لطافت پیدا کرے۔ قویٰ کو پوشیدہ کارروائیوں کا موقع بھی نہ ملے اور ایسی کوئی بھی تقریب پیش نہ آوے جس سے بدخطرات پیش آویں۔ یہ ایک یقینی بات ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے اور اپنے ابنائے جنس کے لئے ہمدردی کا جوش نہیں پاتا وہ بخیل ہے اگر مجھے ایک رستہ معلوم ہو جس پر چلنے سے بھلائی ہو اور خیر ہو تو میرا فرض ہے کہ میں پکار پکار کر لوگوں کو بتاؤں۔ اس امر کی پرواہ نہیں ہونی چاہیے کہ کوئی اس پر عمل کرتا ہے یا نہیں۔

ہر روز اپنے نفس کا محاسبہ کرو۔ آخر میں ایک اور بات کہنا چاہتا ہوں اور یہ وصیت کرتا ہوں کہ تمہارا اعتصام حبل اللہ کے ساتھ ہو۔ قرآن تمہارا دستور العمل ہو باہم کوئی تنازع نہ ہو کیونکہ تنازع فیضان الٰہی کو دور کرتا ہے۔

چاہیے کہ تمہاری حالت اپنے امام کے ہاتھ میں ایسی ہو جیسے میت غسال کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ تمہارے ارادے اور خواہشیں مردہ ہوں اور تم اپنے آپ کو امام کے ساتھ ایسے وابستہ کرو جیسے ریل گاڑی کے ساتھ انجن۔ استغفار کثرت سے کرو اور دعاؤں میں لگے رہو۔ وحدت کو ہاتھ سے نہ دو۔ دوسرے کے ساتھ نیکی اور خوش معاملگی میں کوتاہی نہ کرو۔

1300 برس کے بعد یہ زمانہ ملا ہے اور آئندہ یہ زمانہ قیامت تک نہیں آسکتا۔ پس اس نعمت کا شکر کرو کیونکہ شکر کرنے پر ازدیاد نعمت ہوتا ہے۔''

☆☆☆☆

غصہ کا غلبہ مخرب الاخلاق فعل

قاری ارشد محمود

قرآن کریم میں اللہ رب العزت نہایت خوبصورت انداز میں اپنے بندوں کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''جو لوگ کبیرہ گناہوں اور بے حیائی سے اجتناب کرتے ہیں اور وہ غصے کی حالت میں معاف کرتے ہیں۔'' (سورۃ الشوریٰ آیت نمبر 37)

اب ایک طرف یہ اللہ تعالیٰ کا حکم کہ گناہوں سے بچو، بے حیائی کی باتوں سے بچو اور اپنے غصے پر قابو رکھو۔مگر ہم اس کے بالکل برعکس چل رہے ہیں۔نہ کبھی گناہوں سے بچنے کا خیال دل میں آتا ہے اور نہ ہی غصے کی حالت میں ہم اپنے آپ پر قابو رکھ پاتے ہیں۔افسوس کا مقام تو یہ ہے کہ ہم غصے کی حالت میں بے حیائی کی حدوں کو بھی پھلانگ جاتے ہیں۔فحش گالی دینا ہم اپنے لیے باعث فخر سمجھتے ہیں۔اپنے سے چھوٹے کو گالی دے کر بلانا ہم اپنے لیے مقام عزت سمجھتے ہیں اور غصے کی حالت میں کچھ بھی کر جانا ہم اپنا حق سمجھتے ہیں۔اور دوسری جانب ہم اسلام کے دعویدار بھی ہیں۔قرآن کو اپنا اوڑھنا بچھونا بھی سمجھتے ہیں تو کیا یہ دوغلا پن یا منافقت نہیں ہے جس میں من حیث القوم ہم دن بدن دھنستے چلے جا رہے ہیں۔جبکہ ایمان والوں کی خوبیوں کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''جو خوشی اور تکلیف میں خرچ کرتے ہیں اور غصہ پی جانے والے ہیں اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں، اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔'' (سورۃ آل عمران آیت 134)

اب ہم اپنا طرز زندگی دیکھتے ہوئے کہہ سکتے ہیں کہ ہم ان لوگوں میں سے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ احسان کرے گا اور ہمارا غصہ ان لوگوں کی طرح ہے جن سے اللہ تعالیٰ محبت رکھتے ہیں۔اگر ایسا نہیں تو ہمیں اپنے آپ پر غور کرنا ہوگا اور اپنے آپ کو بدلنا ہوگا۔وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن کے ساتھ ہم محبت کا دعویٰ کرتے ہیں، ان کی سیرت کے مطابق ہمیں چلنا ہوگا۔صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے۔فرماتی ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ذاتِ گرامی کا کبھی انتقام نہیں لیا۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: ''زورآور وہ نہیں جو پچھاڑنے میں مضبوط ہو، طاقتور حقیقت میں وہ ہے جو حالت غضب میں خود پر ضبط رکھے۔'' مطلب یہ کہ جو غصے کی حالت میں اپنے آپ پر کنٹرول رکھے۔

اب حدیث رسول کی روشنی میں ہم اپنے آپ کو دیکھیں۔ہم کمزور کو پچھاڑنے اور انتقام لینے کو اپنی دانائی سمجھتے ہیں۔چھوٹی چھوٹی باتوں پہ اس قدر ناراض ہوتے ہیں کہ کئی ایام گزر جاتے ہیں اور ناراضگی جوں کی توں رہتی ہے۔جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واضح فرمان ہے کہ کوئی بھی اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ ناراض نہ رہے۔

پھر ہمارا انتقام لینے کا طریقہ نہایت ہی تکلیف دہ ہے۔ہم اپنے بھائی کی غیبت شروع کر دیتے ہیں اور اس کو نقصان پہنچانے کے لیے منافقوں کی طرح درپردہ کوششیں شروع کر دیتے ہیں۔پھر اس کے عیب ٹٹولنے کی پوری کوشش کرتے ہیں اور اپنے بھائی کو نقصان پہنچانے کے باوجود بھی ہمارا غیظ وغضب ختم ہونے کا نام نہیں لیتا۔جبکہ صحیح بخاری کی روایت ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کی کہ مجھے خاص حکم دیجئے جو مختصر ہو اور اس کا اجر بہت ہو اور ہوسکتا ہے کہ میں اس کی حفاظت کرلو۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''لَا تَغْضَبْ'' تو غضبناک نہ ہو۔

دوسرے معنوں میں آپ اس شخص سے فرما رہے ہیں کہ تو غصے کی حالت میں نہ آ۔ کیونکہ غصہ عقل کو کھا جاتا ہے۔

ہم بڑے فاخرانہ انداز میں یہ کہتے ہیں مجھ سے غصہ برداشت نہیں ہوتا اور میں انتقام لیے بغیر رہ نہیں سکتا۔ جبکہ غصے پر قابو پانا اور معاف کرنا اولوالعزم لوگوں کا شیوہ ہے۔ اگر آپ ایسا نہیں کر سکتے تو آپ کو اپنے آپ پر افسوس ہونا چاہیے اور ندامت سے آپ کا سر جھکا ہونا چاہیے۔

پھر کچھ ایسے بھی بھائی ہیں جو اپنے غصے پہ قابو تو پانا چاہتے ہیں مگر کہتے ہیں کہ مجھے سمجھ نہیں آتی کہ میں اپنے غصے پہ قابو کیسے پاؤں۔ تو اس کا علاج بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑے ہی احسن انداز میں بیان فرمایا ہے۔ سیدنا سلیمان بن صردؓ سے منقول ہے کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تھے کہ دو آدمی آپؐ کے پاس آپس میں گالی گلوچ کر رہے تھے۔ ایک ان میں سے دوسرے کو غضبناک ہو کر گالی گلوچ کر رہا تھا یہاں تک کہ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے ایک ایسا کلمہ معلوم ہے اگر یہ کہے تو اس کا تمام غصہ کافور ہو جائے گا۔ اور وہ کلمہ ہے ((**اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم**)) کہ میں اللہ کی پناہ میں آتا ہوں شیطان کے شر سے۔''

اب ہمیں اپنا غصہ دور کرنے کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریق اپنانا چاہیے کیونکہ ہمارے لیے فخر کی بات یہی ہے کہ ہم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کریں۔ جس بات کا حکم پیغمبر خداؐ دیں اسے کر گزریں اور جس سے روکیں اس سے منع ہو جائیں۔

غصے کا دوسرا علاج: ابوداؤد کی روایت ہے، آپؐ نے فرمایا: ''غصہ شیطان کی جانب سے ہوتا ہے اور شیطان شعلہ بار آگ سے پیدا ہوا ہے اور آگ بذریعہ آب بجھائی جاتی ہے۔ جب تم میں سے کوئی غضبناک ہو تو وضو کرنا چاہیے۔'' اب غصے کا یہ دوسرا علاج نہایت آسان بھی ہے اور مفید بھی۔

ہمارا غصہ صرف انسانوں پر ہی نہیں بے زبانوں پر بھی اثر انداز ہوتا ہے۔ ہم جانوروں کو اس طرح پیٹ رہے ہوتے ہیں گویا ان میں جان ہی نہیں پتھر یا مٹی کے بنے ہوئے ہوں۔ حالانکہ ان میں بھی جان ہے اور ان کو بھی تکلیف ویسے ہی ہوتی ہے جیسے ایک انسان کو تکلیف ہوتی ہے۔ ہم مسلمان ہونے کی حیثیت سے دنیا کے لیے مشعل راہ تھے۔ ہم نے لوگوں کے لیے ایک احسن نمونہ بننا تھا مگر آج ہم خود بھی اخلاقیات سے اس قدر دور جا پڑے کہ دنیا کے لیے ایک مذاق بن کر رہ گئے ہیں۔ ہم اپنے بزرگوں کی نرمی اور شگفتگی بڑے زور و شور سے بیان کرتے ہیں اور ان کی نرمی کو بیان کرنا اپنے لیے باعث فخر سمجھتے ہیں مگر جب ہم پر کوئی وقت آتا ہے تو ہم اپنے قول و فعل میں تضاد کر رہے ہوتے ہیں اور دیکھنے والا یہی سمجھتا ہے کہ ان کے آباؤ اجداد بھی اسی طریقے سے سخت مزاج، شائستگی اور شگفتگی سے عاری تھے، اسی طرح جیسے آج ان کی اولاد۔ انسان کا بے لگام غصہ کا اظہار کرنا اس کے لئے عزت میں کمی، بیماریاں، پریشانیاں، مصیبتیں، تباہی و بربادی ہی لاتا ہے۔ بے جا خون کا کھولنا، بھڑکنا، آگ بگولا ہونا، جھگڑا کرنا، عداوت رکھنا، مخالفت کرنا، دشمنی، بدمزاجی، ناراضگی اور ترش روئی سے بچنے کے لئے ہمیں سوچوں میں تبدیلی، تحمل، برداشت، نظر انداز کرنے اور معاف کر دینے کا جذبہ لانا ضروری ہے۔

میں اپنی بات کو امام وقت کی اس بات کے ساتھ ختم کرتا ہوں کہ آپ نے غصے اور غضبناک ہونے کو تقویٰ سے دوری کا نتیجہ بتایا۔ آپ فرماتے ہیں:

''اہل تقویٰ کے لیے یہ شرط تھی کہ وہ غربی اور مسکینی میں اپنی زندگی بسر کرے۔ یہ تقویٰ کی ایک شاخ ہے جس کے ذریعے ہمیں غضب ناجائز کا مقابلہ کرنا ہے۔ بڑے بڑے عارف اور سالکوں کے لیے آخری اور کڑی منزل غضب سے ہی بچنا ہے۔ عجب و پندار غضب سے پیدا ہوتا ہے اور ایسا ہی خود غضب، عجب و پندار کا نتیجہ ہوتا ہے۔ کیونکہ غضب اس وقت ہوگا جب انسان اپنے نفس کو دوسروں پر ترجیح دیتا ہے۔''

☆☆☆☆

قصہ موسیٰ اور خضر علیہ السلام کی بابت چند باتیں

فضل حق (سابق امام فجی)

قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کی باہم ملاقات اپنی نوعیت اور تاثر کے اعتبار سے سراسر ایک منفرد واقعہ ہے۔ یہ واقعہ اس زمانے کا ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم فرعون کی غلامی اور فرعون کے ظالم ساتھی ہر طرح کی دنیوی فراخی اور کامیابی حاصل کیے ہوئے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام صاحب شریعت پیغمبر تھے۔ ایک موقع پر انہیں باطنی احوال جاننے کا شوق ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی ملاقات ایک ایسی ہستی سے کرائی جس کے سپرد باطنی معاملات تھے اس کا نام خضر بتایا گیا ہے جن پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل تھا اور جس کو اللہ نے اپنے کچھ خاص علم سے نوازا تھا۔ یہ کون تھے؟ قرآن نے ان کا نام نہیں بتایا ہے۔ صرف ان کے بعض مخصوص اوصاف کا ذکر کیا ہے۔ بعض حدیثوں میں ان کا نام خضر آیا ہے چونکہ ان حدیثوں کے انکار کی کوئی وجہ ہمارے پاس نہیں ہے اس وجہ سے یہی نام ہم اختیار کر لیتے ہیں۔

حضرت خضرؑ نبی تھے

بعض قرآنی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نبی تھے۔ اس کا اول قرینہ تو یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر نبی اور رسول کو ان کے پاس حصول علم اور حصول تربیت کے لئے بھیجا گیا۔ اگر حضرت خضرؑ نبی نہیں تھے تو ایک نبی کا غیر نبی کے پاس حصول علم و تربیت کے لئے بھیجا جانا بالکل ناموزوں سی بات ہے۔ اگر چہ اس نام کے کسی نبی کا ذکر قرآن یا تورات میں نہیں ملتا لیکن یہ چیز کچھ اہمیت رکھنے والی نہیں ہے۔ قرآن میں، خود اس کی اپنی تصریح کے مطابق بہت سے انبیاء کا ذکر نہیں ہے۔ یہی حال تورات کا بھی ہے۔ یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ اللہ تعالیٰ نے، جیسا کہ قرآن میں تصریح ہے، اپنے ہر نبی کو کسی نہ کسی پہلو سے فضیلت دی ہے۔ حضرت خضرؑ کو بھی ایک خاص پہلو سے فضیلت حاصل تھی اور اسی طرح حضرت موسیٰؑ کو بھی فضیلت حاصل تھی۔ حضرت موسیٰؑ کا ان سے کچھ باتیں سیکھنا اس امر کو مستلزم نہیں ہے کہ حضرت خضرؑ کو حضرت موسیٰؑ پر مطلق فضیلت حاصل تھی۔

دوسرا قرینہ یہ ہے کہ ان کے جو اوصاف اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائے ہیں وہ اوصاف انبیاء ہی سے مناسبت رکھتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ وہ ہمارے بندوں میں سے ایک خاص بندہ تھا، ہم نے اپنی طرف سے اس پر خاص فضل کیا تھا۔ ہم نے اس کو اپنے پاس سے ایک خاص علم عطا کیا تھا۔ علیٰ ہذا القیاس انہوں نے خود اپنے کاموں سے متعلق فرمایا کہ میں نے کوئی کام بھی خود اپنی رائے سے نہیں کیا بلکہ خدا کے حکم سے کیا ہے، یہ سب باتیں دلیل ہیں کہ وہ صاحب وحی نبی تھے اور ان کو یہ خاص امتیاز بھی حاصل تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنے بعض ارادوں کے راز کھول دیئے تھے۔

حضرت خضرؑ نے موسیٰؑ سے کہا: آپ میرے ساتھ جاتے ہوئے جو معاملات دیکھیں گے، چاہتے ہوئے بھی اس پر خاموش نہیں رہ سکیں گے۔ سوال کرنے پر مجبور ہوں گے۔ حضرت موسیٰ نے خاموش رہنے کا وعدہ کیا، لیکن جب انہوں نے پے در پے تین عجیب وغریب واقعات اپنی آنکھوں سے دیکھے تو ہر بار مہر سکوت توڑنے پر مجبور ہو گئے۔ پہلا واقعہ اس طرح پیش آیا کہ حضرت موسیٰ اور حضرت خضرؑ نے مل کر ایک کشتی میں سفر کیا۔ دریا کے دوسرے کنارے پر پہنچنے کے بعد خضرؑ نے اس اچھی بھلی کشتی کا ایک کونا توڑ کر اسے ناقص کر دیا۔ دوسرا واقعہ یہ تھا کہ ایک نوجوان کو پکڑا اور اسے بلا وجہ موت کی نیند سلا

دیا۔ظاہر ہے یہ شرعی طور پر گناہ کبیرہ کا ارتکاب تھا۔تیسرا واقعہ یہ تھا کہ موسیٰ اور خضر نے ایک بستی کے مکینوں سے کھانا طلب کیا تو کسی نے بھی ان کو کھانا نہ دیا لیکن خضرؑ کو اچانک ایک شکستہ دیوار دکھائی دی جو معمولی سے دھکے سے گر سکتی تھی۔خضرؑ نے موسیٰ سے کہا: آیئے ہم یہ دیوار تعمیر کر دیں۔چنانچہ دونوں اصحاب نے وہ دیوار از سر نو کھڑی کر دی۔حضرت موسیٰؑ کے لئے یہ تیسرا واقعہ بھی بہت انوکھا تھا،ضبط نہ کر سکے اور اس کا مفہوم پوچھنے پر مجبور ہو گئے اس کے بعد حضرت خضرؑ نے موسیٰؑ سے کہا: اب آپ مزید میرے ساتھ نہیں چل سکیں گے۔البتہ جدا ہونے سے پہلے میں ان واقعات کا پس منظر واضح کر دیتا ہوں۔

وہ کشتی جن لوگوں کی تھی وہ اس کے ذریعے مسافروں کو دریا کے آر پار لے جا کر مزدوری حاصل کرتے تھے، یہ ان کی کمائی کا واحد ذریعہ تھی۔کشتی بہت اچھی حالت میں تھی۔دریا کے پار ایک ظالم بادشاہ کی حکومت تھی وہ ان غریب لوگوں سے یہ کشتی چھین لیتا۔میں نے اسے ناقص کر دیا تاکہ وہ کسی حکومتی کارندے کی نظر میں نہ آئے۔اسے ناکارا سمجھتے ہوئے نظر انداز کر دے۔جس نوجوان کو ٹھکانے لگا دیا۔اس کا پس منظر یہ ہے کہ وہ نوجوان اپنے نیک والدین کی رسوائی کا باعث بن رہا تھا،اب اللہ تعالیٰ ان کو اس کا نعم البدل عطا کریں گے جوان کے لئے باعث رحمت وبرکت بنے گا جو دیوار گرا دی تھی اس کے نیچے کچھ یتیموں کا خزانہ دبا ہوا تھا دیوار گر جاتی تو لوگ وہ خزانہ لوٹ لیتے۔اب دیوار کی تعمیر نو سے وہ خزانہ اس وقت تک محفوظ رہے گا جب تک وہ بچے جوان نہیں ہو جاتے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ اس قصے کا مقصد انسانوں پر یہ واضح کرنا ہے کہ ایک یہ دنیا ہے جس میں تم رہتے بستے ہو۔شرعی اصول وقوانین اسی ظاہری دنیا کے معاملات کو سنوارنے کے لئے متعین کئے گئے ہیں۔لیکن یہ نہ بھولو کہ اس ظاہری دنیا کے ساتھ ساتھ ایک دوسری دنیا بھی ہے جو تمہاری نگاہوں سے اوجھل ہے۔اس کے اپنے قاعدے، ضابطے ہیں جنہیں جاننے کے تم مکلّف نہیں ہو، اگر تمہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اس پر صبر اختیار کرو اور اللہ سے دعا کرو کہ اس تکلیف کے نتائج تمہارے لئے مفید بنا دے۔اگر خوشی ملتی ہے تو اس پر فخر اور غرور میں مبتلا نہ ہو جاؤ۔

مجھے اس واقعہ کے حکیمانہ پہلوؤں پر غور وخوض کرنے کے لئے کئی اردو تفاسیر دیکھنے کا موقع ملا ہے۔ان میں زیادہ تر یہی بحث ملتی ہے کہ خضرؑ کون تھے۔وہ نبی تھے یا غیر نبی۔انسان تھے یا فرشتہ،خضرؑ نام کی ایک ہی ہستی ہے یا ایسے کئی خضر نظام ہستی چلانے کے لئے مامور ہیں۔کیا انہیں موت آسکتی ہے؟ تشریعی اور تکوینی امور کیا ہوتے ہیں اور تکوینی امور تشریعی امور سے کس طرح مختلف ہیں؟ علمائے تفسیر نے اس حوالے سے بہت کچھ لکھا ہے لیکن اس طرف دھیان نہیں دیا کہ اس میں اجتماعی زندگی کے بارے میں بھی بہت فکر آفریں حکمتیں پوشیدہ ہیں۔چونکہ ہمارے علمائے کرام ہماری آج کے دور کی پیدا کردہ الجھنوں اور پیچیدگیوں کو نہیں سمجھتے ،اس لئے انہوں نے صرف قصے کی غرابت بیان کرنے تک بحث محدود رکھی ہے۔

میرا خیال یہ ہے کہ اس قصے کی حیثیت علامتی ہے۔اس میں جس ظالم بادشاہ اور کشتی کے جن غریب مالکان کا ذکر ہوا ہے وہ آج کی دنیا میں بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔پرانے وقتوں میں بادشاہوں کو ہوس ملک گیری بے چین رکھتی تھی۔وہ آئے روز ریاستوں پر چڑھائیاں کرتے رہتے تھے۔مقصد مال ودولت تھا۔اپنے لاو،لشکروں کے لئے انہیں کشتیوں کی بھی ضرورت پڑتی تھی۔جب ان بادشاہوں کے کارندے رعایا میں سے کسی کے پاس صاف ستھری اور مضبوط کشتی دیکھتے تو اس سے چھین لیتے تھے۔جس سے کشتی چھینتے تھے اس کی فریاد سننے والا کوئی نہیں ہوتا تھا۔آج کی حکومتوں کا کردار اس سے مختلف نہیں، وہ اپنے دفتری ٹھاٹھ اور مراعادت کے لئے عوام پر بھاری ٹیکس لگاتی ہیں۔

حکومتی کارندوں کے اختیار میں بے شمار رقوم ہوتی ہیں،جنہیں وہ جب چاہتے اور جہاں چاہتے ہیں خرچ کرتے ہیں۔انہیں آڈٹ کے شکنجوں سے بچے رہنے کے لئے بے شمار گر معلوم ہوتے ہیں بلکہ کروڑوں فنڈ آڈٹ ہو ہی نہیں پاتے۔ملازمتیں انہیں دیتے ہیں جن کی تگڑی سفارش ہوتی ہے،جو انہیں رشوت نہ دیں انہیں ملازمتوں سے نکال باہر کرتے ہیں۔اس طرف قطعاً دھیان

نہیں دیا جاتا کہ اس اندھے اقدام سے کتنے گھروں کے چولہے ٹھنڈے پڑ جائیں گے۔ آج کی حکومتوں نے ریاستی نظام کو ایسے اصول وقوانین کے تحت مستحکم کررکھا ہے کہ جن کی وجہ سے غریب اور بے وسیلہ آدمی کو کسی طرف سے بھی انصاف ملنے کی امید نہیں ہوتی۔ اپنے حق کے لئے وہ عدالتوں میں جاتا ہے تو وہاں سالوں تک ذلیل وخوار ہوتا ہے۔ بعض اوقات فیصلہ آنے تک وہ قبرستان جا پہنچتا ہے۔ ہمارے علمائے دین یہ نہیں بتاتے کہ آج کی حکومتیں بھی اپنے خزانے بھرنے کے لئے اپنی رعایا سے بہت کچھ چھین لیتی ہیں۔

دوسرا واقعہ بھی قابل غور ہے اس میں بلاشبہ اس بات کا درس دیا گیا ہے کہ اولاد ایک آزمائش بھی ہے اور یہ چیز ہمیں معاشرہ میں عام نظر آتی ہے کہ حصول اولاد کے لئے لوگ شرک تک کر جاتے ہیں اور کئی قسم کے خرافات میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ ایسے ہی ان کی ترقی کے لئے ایسے حلال وحرام کے ذرائع اختیار کر بیٹھتے ہیں اور نافرمان اولاد کی وجہ سے والدین کو ذلت اور رسوائی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ آئے دن ہم اخبارات میں پڑھتے ہیں اور یہی کیفیت اس وقت تھی جس کا ذکر خضرؑ نے موسیٰؑ سے کیا۔ ایک تو وہ نوجوان ایسے فعل کر چکا تھا جس سے اس کا قتل ہونا لازم ٹھہرتا تھا اور دوسرا اس نوجوان کے والدین جو کہ ایمان والے اور شریعت کے پابند تھے۔ ان کے لئے ذلت اور رسوائی کا موجب بنتا تھا۔ اسی کیفیت کو قرآن مجید نے خضرؑ کی زبان سے اس انداز میں بیان کیا جو اس کے ماں باپ مومن تھے تو ہم ڈرے کہ وہ انہیں سرکش اور کفر میں مبتلا کر دے گا۔

اب اس واقعہ سے دو سبق ملتے ہیں اور ایک غلطی کا ازالہ ہوتا ہے۔ غلطی یہ کہ عام مفسرین اس بات کی جانب گئے ہیں کہ خضرؑ نے کھیلتے ہوئے چھوٹے سے معصوم اور نابالغ بچے کو مستقبل کے اندیشے سے قتل کر دیا جبکہ یہ اصول عقل اور شریعت کے صریحاً خلاف ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے جتنی بھی سزاؤں کا ذکر کیا ہے وہ جرم کے بعد ہیں۔ لہذا قرآن مجید کی اس آیت مبارکہ کے ترجمہ میں کوئی بھی ایسی نہیں ہے کہ نابالغ اور چھوٹے بچے کو بغیر کسی عزر کے قتل کیا گیا ہے۔

اب ہم قارئین کے لئے ان اسباق کا ذکر کرتے ہیں جو اس واقعہ سے اخذ ہوتے ہیں۔ پہلی بات یہ سمجھائی گئی ہے کہ اپنے افعال میں نیکی اور بھلائی کو مدنظر رکھو۔ تمہاری عقل اور گناہ کا خمیازہ والدین کو بھی برداشت کرنا پڑتا ہے۔ تمہاری نیک نامی میں جہاں والدین کا دل خوش ہوتا ہے وہاں عزت سے ان کا سرفخر سے بلند ہوتا ہے۔ لہذا کوئی بھی فعل کرتے ہوئے اپنے والدین کی عزت کو ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے۔

دوسرا سبق اس میں یہ ہے کہ جن کا ذکر قرآن مجید کے الفاظ میں فرمایا ''تو ہم نے چاہا کہ ان کا رب انہیں صلاحیت میں اس سے بہتر اور رحم سے قریب تر (چیز) بدلہ میں دے'' مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی چیز اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے لے لیتا ہے تو اس پے بے صبری کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے بلاوجہ شکوہ کی بجائے صبر اور استقامت سے وہ بات کہنی چاہیے جو قرآن نے سکھائی ہے ''اے اللہ یہ پریشانی تیری ہی جانب سے ہے اور تو ہی اس کو ختم کرنے والا ہے۔''

تیسرے واقعہ میں میرے نزدیک مسلمانوں کو توجہ دلائی گئی ہے کہ وہ غریبوں، یتیموں اور بے وسیلہ لوگوں کی جان اور مال کی حفاظت کریں۔ یہ کام حکومتیں بھی انجام دیں اور فلاحی تنظیمیں بھی، خضرؑ نے یوں ہی اس خدشے کا اظہار نہیں کیا بلکہ اس غرض سے کیا کہ دیوار گرنے سے مہذب دنیا سے دبا ہوا خزانہ ظاہر ہوجاتا ہے اور لوگ اسے لوٹ لیتے ہیں، ہماری آج کی نام نہاد تہذیب کے سٹیج پر یہ ڈرامہ روزانہ رونما ہوتا ہے، باپ، بیٹیوں کو جہیز کا بہانہ بنا کر وراثت سے محروم کر دیتے ہیں، بیواؤں اور یتیموں کی زمینوں اور وسائل زندگی پر قبضے کی وارداتیں تو گلی گلی میں دیکھی جاسکتی ہیں، میرے نزدیک دیوار سے مراد قانون غریب جو غرباء کو تحفظ دے سکتا ہے، اگر اسے طاقت فراہم کی جائے تو کوئی غریبوں کے وسائل پر قبضہ کی جرأت نہ کر سکے۔

☆☆☆☆

مصائب اور آزمائشوں سے مقابلے کا طریق

منصور احمد (شاہدرہ)

ترجمہ: ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو صبر اور نماز کے ساتھ مدد مانگو یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ (سورۃ البقرہ آیت 153)

''اور ضرور ہم کسی قدر ڈر، بھوک، مالوں اور جانوں اور پھلوں کے نقصان سے تمہارا امتحان کریں گے اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری دو۔''

(سورۃ البقرہ آیت 155)

ان آیات میں خدا تعالیٰ کی طرف سے آزمائشوں اور مصیبتوں میں صبر کے اہم مضامین کا ذکر ہے۔ قرآن مجید نے مصیبتوں کے مضمون پر روشنی ڈالی ہے کہ یہ تین طرح سے انسان پر آتے ہیں۔

جب کوئی نبی آتا ہے اور اب جبکہ نبی نہیں آسکتے تو مجدد یا مامور آتا ہے تو اس کی اور اس کا ساتھ دینے والوں کی سخت مخالفت ہوتی ہے اور انہیں ہلاک تک کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ کسی نہ کسی طرح حق کو قبول کرنے والوں پر مصیبتیں آتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ تقدیر کے رنگ میں مصیبتیں بھیجتا ہے جو حالت خوف یا بھوک یا مالوں، جانوں اور انسان کی محنت کے پھلوں کے ضائع ہو جانے کے رنگ میں آتی ہیں۔

انسان کی بداعمالیوں، غلطیوں یا غفلت کی وجہ سے مصیبتیں آتی ہیں اور پھر آگے جا کر قرآن حکیم نے فرمایا ہے کہ ان مصیبتوں کا علاج توبہ، صبر اور استغفار ہے۔

اس لئے تقویٰ اور احتیاط کا یہی تقاضا ہے کہ جو بھی مصیبت آئے اس میں صبر کے علاوہ توبہ اور استغفار اور اپنی اصلاح کی طرف توجہ ضرور کی جائے۔ اگر مصیبت انسان کے اپنے ہاتھ کی کمائی نہیں تو بھی اسکے آنے کا ایک بڑا مقصد انسان کی اصلاح اور اس کی اخلاقی اور روحانی تکمیل ہوتا ہے۔

قرآن مجید ہمیں بتاتا ہے کہ

''کوئی بھی مصیبت ہو وہ نہیں آتی مگر اللہ کے حکم سے، اس کی اجازت سے۔'' (سورۃ التغابن 11:64)

اس لئے مصیبت کو حوصلہ اور صبر سے برداشت کرنا چاہیے۔ اپنی اصلاح کی فکر کرنی چاہیے، ہوسکتا ہے کہ وہ کوئی اپنی شامتِ اعمال ہو اور پھر مصیبت پڑنے پر مدد کے لئے پکارنا انسانی فطرت ہے۔ چونکہ ہر مصیبت اللہ تعالیٰ کے حکم سے آتی ہے۔ اس لئے اس سے مدد مانگنا عین فطرت ہے۔

مدد کس طرح مانگنی چاہیے؟

پہلی صورت جو خدا تعالیٰ کے مامور کو یا حق کو قبول سے آتی ہے۔ حق کو قبول کرنے والے بدقسمتی سے ہمیشہ تھوڑے اور کمزور ہوتے ہیں اور ان کے مخالفین تعداد اور طاقت میں بہت زیادہ ہوتے ہیں اور وہ ان کی ایذا اور ہلاکت پر تلے ہوتے ہیں۔

اس لئے حق کا ساتھ دینے والوں کو مدد مانگنے کی ضرورت پیدا ہوتی ہے۔ اور ان کا مددگار سوائے اللہ کے اور کون ہوتا ہے۔ اس لئے فرمایا کہ دعا یا نماز کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کو پکارو جب انسان صبر کے ساتھ نماز کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے تو انسان اور اللہ کا رشتہ قائم ہوتا ہے جو اور مصیبتوں کے لمبا ہونے سے مضبوط ہوتا چلا جاتا ہے اور پھر ایمان اس قدر مضبوط ہوتا چلا جاتا ہے اور اس کو یقین ہو جاتا ہے کہ اس کا خدا اسے ہر مصیبت سے بچا لے گا۔ جو شخص دل سے نماز پڑھتا ہے وہ گناہوں سے بچا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ خود قرآن مجید میں نماز کا یہ

اثر بیان فرماتے ہیں: ''نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔''

نماز خدا تعالیٰ کے دربار میں حاضری ہے یعنی خدا تعالیٰ کے روبرو حاضر ہونے کا نام ہے۔

ہم نشیں اپنی دعاؤں میں وہ اثر پیدا کر

لے اڑیں جو سوئے افلاک وہ پر پیدا کر

تو پھر جب بندہ خدا تعالیٰ کے روبرو حاضر ہو کر صبر کے ساتھ، ادب کے ساتھ دعا مانگے تو خدا تعالیٰ اس کی دعا کو ضرور سنتا ہے کیونکہ فرمایا ہے:

''ان اللہ مع الصابرین''

اس لئے دعا کے بعد صبر سے کام لینا چاہیے۔ صبر کی صفت اللہ تعالیٰ کی بڑی بھاری صفت ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی صفات کو حاصل کرنے کا حکم قرآن اور حدیث دونوں میں موجود ہے۔ انسان کی کتنی عزت افزائی ہے کہ اسے خدائی صفات حاصل کرنے کا موقع مل رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کون صبر کرنے والا ہے۔ اس کی آنکھوں کے آگے اس کی ہستی کا انکار کیا جاتا ہے۔ اور پھر شرک کر کے ایک اپنے ہاتھ سے بنائے ہوئے بت یا خدا کی مخلوق بلکہ مردہ انسان کو خدا بنا کر پوجتے ہیں تو کیا یہ گستاخی اور بے ادبی نہیں ہے۔

پھر خدا تعالیٰ کے سامنے گناہ اور خرابیاں کی جاتی ہیں اگر وہ صبر نہ کرتا تو دنیا کب کی ختم ہو چکی ہوتی۔ انسان کو اپنی اصلاح اور نجات کا بھی موقع نہ ملتا۔ صبر خدا تعالیٰ کی عظیم الشان صفت ہے اور اس کو حاصل کرنے کا موقع مصیبتوں میں صبر کرنے سے ملتا ہے۔

حق کے قبول کرنے والوں میں بعض کو قتل کر دیا جاتا ہے تو کیا وہ ناکام ہو گئے؟ نہیں

ان کے لئے حکم ہے کہ انہیں مردہ مت کہو بلکہ انہوں نے تو اعلیٰ اور ابدی زندگی حاصل کر لی ہے۔ اس سے بہتر زندگی تو ممکن ہی نہیں ہے۔ وہ تو اس دنیا کے دکھوں فاقوں اور غموں سے نجات پا کر ابدی جنت میں چلے گئے۔ وہ تو قابل رشک لوگ ہیں۔

مثال: قابل رشک لوگوں کی ایک مثال

منافق مرد اور منافق عورتیں مومنوں کو جنت میں دیکھ کر کہیں گے ذرا ہمیں بھی مہلت دو کہ ہم تمہارے نور سے کچھ لے لیں۔ جواب میں مومنوں کی طرف سے کہا جائے گا کہ دنیا میں واپس جاؤ اور وہاں نور کو حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ پھر ان دونوں کے درمیان دیوار کھینچ دی جائے گی۔ جس کا ایک دروازہ ہوگا۔ اس کے اندرونی حصہ میں رحمت ہوگی اور بیرونی حصہ کو عذاب پہنچ رہا ہوگا۔ جنت میں داخل ہونے کے لئے جس نور کی ضرورت ہے وہ دنیا سے ہی ساتھ لے جایا جاتا ہے۔

مصیبتوں پر صبر اور نماز کے ساتھ خدا تعالیٰ سے مدد مانگنا دلوں میں تقویٰ پیدا کرنا ہے۔

اسلام میں ہزار ہا انسان ایسے پیدا ہوئے جن کے وجود میں دنیا نے تقویٰ کی علامتیں مشاہدہ کیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ: ''صبر کرنے والوں کو خوشخبری دو۔'' پھر ان مومنوں کے لئے خوشخبری کہ صبر اور نماز سے خدا کے دوست بن گئے۔

یہ مومن کون ہیں؟

جو اپنی نماز سوز و گداز سے ادا کریں گے جن کے سامنے ہر وقت عجز اور انکساری اور خدا تعالیٰ کی عظمت رہے گی۔

حدیث شریف میں ہے کہ عبادت اس طرح کرو کہ گویا تم خدا کو دیکھ رہے ہو۔ اگر یہ مقام تم کو حاصل نہیں تو کم از کم یہ یقین ہو کہ خدا تعالیٰ تم کو دیکھ رہا ہے۔ قرآن کریم میں نماز پر بہت زور دیا گیا ہے۔ بار بار قائم کرنے اور اس کی حفاظت کی تلقین فرمائی ہے۔ اس کی یہی وجہ ہے کہ نماز میں ہر نمازی خدا تعالیٰ کی عظمت بیان کرنے والی صفات کا ذکر کرنے کے بعد دن میں چالیس مرتبہ اپنے خدا کے سامنے اقرار کرتا ہے کہ ہر شعبہ زندگی میں تیری ہی کامل فرمانبرداری کروں گا اور تیری کسی ہدایت سے انحراف نہیں کروں گا۔ جو شخص بھی اس اقرار پر قائم رہے گا وہ یقیناً ہر برائی سے بچتا رہے گا۔ ہر نیکی کو عملی جامہ پہنانے کی طرف دوڑے گا۔

نماز تمام قسم کی بے حیائیوں اور خدا تعالیٰ کی رضا کے خلاف لے جانے والے امور سے روکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہونے کی وجہ سے اس کی تاثیر بہت بڑی ہے۔ یہ برائیوں سے ہی نہیں روکتی بلکہ خدا تعالیٰ کی معرفت کی شراب طہور بھی پلاتی ہے۔ انسان اس کے ذریعہ سے دن بدن خدا تعالیٰ کے نزدیک تر ہوتا چلا جاتا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نماز پڑھنے کے نتیجہ میں خدا تم کو یاد کرتا ہے۔ اس کا یاد کرنا تمہارے اس کو یاد کرنے سے کہیں بڑا ہے۔ وہ تمہیں اپنی بڑی سے بڑی نعمتوں سے نواز دے گا۔ ایسی نماز جو ایسے نتائج پیدا کرتی ہے۔ درحقیقت خدا تعالیٰ کے حضور خشوع والی نماز ہے۔

کامیاب مومنوں کو ہر اس چیز سے، ہر اس صحبت سے اور ہر اس کام سے ہر اس دوست سے الگ ہونا ہے جو ان کی صلوٰۃ کو خشوع کے ساتھ ادا کرنے سے روکنے کا موجب ہو۔

آج ہمارے زمانہ میں بے شمار چیزیں پیدا ہوگئی ہیں جو نماز سے روکنے کا سبب بنی ہوئی ہیں۔ ہر شخص کو خود ہی دیکھ لینا چاہیے کہ کونسی چیز اس کو خدا تعالیٰ کی اطاعت سے روکنے والی ہے۔ جو چیز اس کو ایسی نظر آئے اس سے اپنے آپ کو الگ کرلے۔

کسی بزرگ کے متعلق ہے کہ جہاں وہ سوئے ہوئے تھے وہاں ایک رات نماز کے لئے ان کی نیند نہ کھلی تو انہوں نے وہ جگہ بدل لی۔ یہ یقین کرتے ہوئے کہ یہ جگہ غفلت کا موجب ہے۔ اس نے مجھے نماز وقت پر ادا کرنے سے روکا ہے۔

وہی مومن کامیاب ہوں گے جو اپنی نمازوں کی پوری طرح حفاظت کریں گے اور کسی نماز کو ضائع نہیں ہونے دیں گے اور تمام ضروری شرائط کے ساتھ ادا کرتے رہیں گے۔ نماز ہی ہے جو ان کو ہدایات پر قائم رکھنے کا ذریعہ ثابت ہوگی۔ ایسے میں مومن وارث ہوں گے اور وہ جنت الفردوس میں ہی رہیں گے۔ وہ درحقیقت جنت میں داخل ہو چکے ہوتے ہیں۔ ان کو وہ نور مل چکا ہوتا ہے جس سے جنت ان کو نظر آنے لگ جاتی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی طرف سے پیش کردہ تمام دولت کی فراوانی اور مقرب درباری بن جانے کے وعدہ کو ٹھکرادیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا ہم اپنے رب کی طرف جارہے ہیں۔ باوجود اس کے کہ ان کو قتل کی دھمکی دی گئی۔ پھانسی پر لٹکانے کی دھمکی دی گئی مگر انہوں نے ذرا بھی پرواہ نہ کی۔

اسی طرح صحابہؓ کو دیکھ لیں کس طرح انہیں کفار کی طرف سے دی جانے والی سخت تکلیفوں کا سامنا تھا۔ لیکن اسلام سے منہ نہیں پھیرا۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں ان سے راضی اور وہ مجھ سے راضی ہوگئے۔

کابل میں صاحبزادہ عبدالطیف شہید کی شہادت بتارہی ہے کہ ان کو وہ نور ایمانی مل گیا تھا جس نے ان کو ہمت عطا کی کہ پتھروں سے سنگسار ہونا قبول کرلیا لیکن حق کا دامن نہ چھوڑا۔ یہ ابتدائی احمدیوں کا نمونہ ہمارے سامنے ہے۔ کس طرح انہوں نے ماریں کھائیں لیکن حقیقی اسلام کا دامن نہیں چھوڑا۔

ارشاد خداوندی ہے:

''خدا تعالیٰ نے تمہارے نفوس اور تمہارے اموال خرید لئے ہیں۔ جان دینے کے عوض تو جنت لے لو۔ یہ بڑا سستا سودا ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ کی جماعت کو وصیت:

''اگر کوئی حیات چاہتا ہے اور حیات طیبہ اور ابدی زندگی کا طلبگار ہے تو وہ اللہ کے لئے اپنی زندگی وقف کرے۔

اور ہر ایک اس کوشش اور فکر میں لگ جائے کہ وہ اس درجہ اور مرتبہ کو حاصل کرلے اور کہہ سکے کہ میری زندگی، میری موت، میری قربانیاں، میری نمازیں اللہ ہی کے لئے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضرت مسیح موعودؑ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے تکلیف میں صبر کرنے اور خشوع والی نمازیں قائم کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

☆☆☆☆

اخلاق نبویؐ کی پیروی مومن کا خاصہ

نوید احمد ملہی (واعظ)

اللہ تبارک وتعالیٰ اخلاق کے بارے میں فرقان حمید میں فرماتے ہیں:

''مومنوں کا جواب جب اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلائے جائیں تا کہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے یہی ہوتا ہے کہ کہیں ہم نے سن لیا اور فرمانبرداری کرتے ہیں اور یہی کامیاب ہونے والے ہیں۔

اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور اس کا تقویٰ اختیار کرتا ہے تو یہی بامراد ہے'' (سورۃ النور آیت 52-51)

ان دو آیات میں اخلاق کی تعلیم کا درس دیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ جس کا حکم رسول اللہ صلعم نے دیا ہے اُس کی اطاعت کرو یعنی ان کو مانو اور اس پر عمل کرو تا کہ تم کامیاب ہوسکو۔ ان آیات میں یہ واضح ہو جاتا ہے کہ رسول اللہ صلعم نے جس بھی بات کے متعلق جو فیصلہ کر دیا ہے وہ قطعی ہے۔ اس میں کسی مومن کو چوں و چرا کرنے کی مجال نہیں ہے۔

سچی فرمانبرداری کا تقاضا ہے کہ اپنی خواہش اور اپنے خیال کے خلاف بھی وہ حکم ہو۔ تب بھی مومن یہ کہے کہ ہم مانتے ہیں اور اطاعت کرتے ہیں۔ اچھے اخلاق واوصاف کی تعلیم اسلام کی بنیادی تعلیمات میں سے ہے اور لوگوں کو اخلاقی اور روحانی اصلاح و درستگی ان خاص مقاصد میں سے ہے جن کے پورا کرنے کے لئے رسول اللہ صلعم نبی بنا کر بھیجے گئے تھے۔ سرکار دو عالم صلعم کا ارشاد ہے:

''میں اللہ کی طرف سے اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ عمدہ اخلاق کی تعلیم دوں اور انہیں مرتبہ کمال تک پہنچاؤں۔''

اخلاق خلق کی جمع ہے اور خلق کے معنی عادت اور طبیعت کے ہوتے ہیں۔ ان سے مراد وہ افعال لیے جاتے ہیں جو روزمرہ زندگی کے تمام امور و معاملات میں انسان سے ظاہر ہوتے ہیں۔ اچھے اخلاق بھی ہوتے ہیں اور بُرے اخلاق بھی۔ اچھے اخلاق وہی ہیں جن سے دوسروں کو آرام یا فائدہ پہنچے اور بُرے اخلاق وہ ہیں جن سے دوسروں کو تکالیف، دل آزاری، دُکھ یا نقصان ہو اور وہ کام جو اللہ سبحانہ تعالیٰ کو ناپسند ہوں وہ بُرے اخلاق ہوتے ہیں۔ اخلاق ہی سے انسان پرکھا جاتا ہے جس کے اخلاق جتنے پاکیزہ اور بلند ہوں گے وہ شخص اتنا ہی بلند رتبہ میں ہوگا۔ دنیا میں اعلیٰ درجے کے اخلاق سرور کائنات احمد مصطفیؐ کے تھے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلعم کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

''اور بے شک آپؐ بڑے اخلاق والے ہیں۔''

ایک آدمی نے جناب رسول اللہ صلعم سے حسن اخلاق کے بارے میں پوچھا، تو آپ صلعم نے یہ آیت پڑھی:

ترجمہ: ''درگزر کی عادت رکھو، نیکی کا حکم دو اور جاہلوں سے منہ پھیر لو۔''

سرکار دو عالم صلعم نے فرمایا:

''حسن اخلاق یہ ہے کہ جو تم سے توڑے تم اس سے جوڑو۔ جو تجھے محروم رکھے تم اسے عطا کرو، جو تم پر ظلم کرے تم اسے معاف کر دو''

حضرت محمد صلعم کی زندگی دنیا کے تمام انسانوں کے لئے ایک نمونہ ہے، بے شک آپ صلعم تو بہت بڑے اخلاق کے درجے پر فائز تھے۔ پھر دنیا کے تمام انسانوں کو حکم دیا کہ ہر امر میں آپ صلعم کے بہترین نمونے کو سامنے رکھیں اور عمل کریں۔ تا کہ کامیابی عزت اور نعمت اس دنیا میں بھی ملے اور آخرت میں بھی کامیاب ہو۔ حضرت محمد صلعم کے اخلاق اتنے پاکیزہ اور بلند ہیں کہ اُن سے بہتر اب ممکن ہی نہیں۔ اسی لئے کوئی غیر مسلم بھی جب آپ صلعم کی سیرت مطہرہ کا مطالعہ کرتا ہے تو اس پر عجیب اثر ہوتا ہے اور وہ حیران ہو کر رہ جاتا ہے اور اُس کا دل اندر ہی اندر بول اٹھتا ہے کہ واقعی اس سے بہتر اخلاق نہیں ہو سکتے۔ اگر سرکار دو عالم صلعم کے اخلاق کو تفصیل سے بیان کرنا چاہیں تو اُن تمام کمالات ومحاسن کا احاطہ کرنا اور بیان کرنا، انسانی قدرت وطاقت سے باہر ہے کیونکہ وہ تمام کمالات جن کا عالم امکان میں تصور ممکن ہے سب کے سب نبی کریم صلعم کو حاصل ہیں۔

تمام انبیاء مرسلین آپ کے آفتاب کمال کے چاند اور انوار جمال کے مظہر

ہیں اور مختصراً کہیں تو یہ کہنا کافی ہوگا کہ حضور اکرم صلعم کے اخلاق قرآن کے مطابق تھے یعنی قرآن کے پابند تھے۔ ایک آدمی رسول اللہ صلعم کے پاس سامنے سے حاضر ہوا اور کہا اے اللہ کے رسول صلعم دین کیا ہے؟ آپ صلعم نے فرمایا حسن اخلاق۔ پھر دائیں جانب سے آیا اور کہا، اے اللہ کے رسول دین کیا ہے؟ آپ صلعم نے فرمایا حسن اخلاق۔ پھر بائیں جانب سے حاضر ہوا اور کہا دین کیا ہے؟ آپ صلعم نے فرمایا حسن اخلاق۔ پھر پیچھے سے حاضر ہوا اور کہا اے اللہ کے رسول دین کیا ہے؟ آپ صلعم اس کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کیا تو نہیں سمجھتا دین کیا ہے؟ دین یہ ہے کہ تو غصہ نہ کرے۔

سرکار دو عالم صلعم نے فرمایا: ''حسن اخلاق اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا خلق ہے عرض کیا گیا کون سا مومن ایمان میں افضل ترین ہے؟ فرمایا جس کا اخلاق سب سے بہتر ہو۔ قیامت کے دن اعمال کی ترازو میں سب سے زیادہ وزن اچھے اخلاق کا ہوگا۔ ظاہر ہے کہ انسانیت کے لئے یہ کتنی اہم چیز ہے۔ سرور کائنات سے کسی شخص نے پوچھا کہ دین کیا ہے؟ حضور صلعم نے فرمایا اچھے اخلاق۔ اس لئے کہ اچھے اخلاق کی تکمیل ہی سے دین ہے اس میں اس قدر وسعت ہے کہ انسانی زندگی کے افعال و اعمال کا کوئی پہلو اس کے دائرے سے باہر نہیں ہے اور یہی وجہ تھی کہ نبی اکرم صلعم فرمایا کرتے تھے کہ میں اچھے اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں۔ آپ صلعم عام طور پر یہ دعا کیا کرتے تھے:

''اے اللہ میں تجھ سے صحت، عافیت اور حسن اخلاق مانگتا ہوں۔''

ذرا توجہ فرمائیں ہمارے آقا و مالک حضرت محمد صلعم خدا سے دعا مانگ رہے ہیں کہ اے اللہ تو میرے حسن اخلاق میں اضافہ فرما دے تو ہمیں کیا ہے کہ ہم دعا نہ مانگیں ہمیں پوری کوشش کرنی چاہیے کہ اپنے اخلاق کو بہتر کر سکیں اور ایک دوسرے کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آئیں۔

امام نووی کتاب ''تہذیب'' میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اخلاق و عادات کی تمام خوبیاں اور کمالات اور اعلیٰ صفات حضرت محمد صلعم کی ذاتِ گرامی میں جمع فرما دی تھیں۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اولین و آخرین کے علوم سے جو آپ صلعم کے شایانِ شان تھے بہرہ ور فرمایا تھا حالانکہ آپ صلعم اُمی تھے کچھ لکھ پڑھ نہیں سکتے تھے۔ نہ انسانوں میں سے آپ کا کوئی معلم تھا۔ اس کے باوجود آپ صلعم کو ایسے علوم عطا فرمائے گئے تھے جو اللہ تعالیٰ نے تمام کائنات میں کسی اور کو نہیں دیئے۔ آپ صلعم کو کائنات کے خزانوں کی کنجیاں پیش کی گئیں تھیں مگر آپ سرکار دو عالم صلعم نے دنیوی مال و متاع کے بدلے ہمیشہ آخرت کو ترجیح دی۔ قرآن مجید پر غور کریں تو اس کی چھوٹی سے چھوٹی سورت بلکہ ہر آیت کسی نہ کسی پہلو سے اخلاق پر روشنی ڈالتی ہے جس کی مثال کے لئے اس آیت پر غور فرمائیں۔

ترجمہ: ''لوگوں سے عمدہ طریقے سے بات کرو۔'' (2:88)

اس آیت میں اخلاق کی تعلیم دی گئی ہے اور اسی طرح دوسرے مقام پر فرمایا:

''میرے بندوں سے کہہ دے کہ وہ بات کہیں جو بہترین ہو۔'' (17:53)

کیا آج مسلمانوں کے لئے اس میں کوئی سبق نہیں کہ وہ بھی بہترین بات کریں تا کہ اسلام کا نام بلند ہو۔ آج جو حالات ہمارے سامنے ہیں وہ صرف اور صرف قرآن کی تعلیم پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے۔ مسلمان، مسلمان کا دشمن ہے۔ یہ حالات اس وقت تک ٹھیک نہیں ہو سکتے جب تک وہ قرآن کے مطابق عمل نہ کرے کیونکہ ہر مسئلے کا حل قرآن مجید میں موجود ہے۔

حالات کی بہتری کے لئے اسلام نے محبت و مودت سے بھرپور جو نسخہ تجویز کیا وہ ملاقات باہمی کے دوران سلام کی بہترین دعا کا تبادلہ ہے۔

اللہ سبحانہ تعالیٰ فرقان حمید میں فرماتے ہیں:

ترجمہ: ''اور جب تم کو کسی دعا کے ساتھ دعا دی جائے تو اس سے بہتر کے ساتھ دعا دو یا اس کو لوٹا دو بے شک اللہ ہر چیز کا حساب کرنے والا ہے۔''

(سورۃ النساء 4:86)

سلام اللہ کے برگزیدہ ناموں میں سے ایک نام ہے۔ ظہور اسلام سے قبل اہل عرب آپس میں ایک دوسرے کو حیاک اللہ یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری عمر دراز کرے کہہ کر مخاطب کرتے تھے۔ مذہب اسلام نے اس کی جگہ سلام کا ایک انتہائی پر معنی طریقہ بتایا وہ یہ ہے کہ السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ اللہ تمہیں ہر طرح کے رنج و غم، نقصان اور تکالیف سے محفوظ و مامون رکھے۔ اور اسی طرح سورۃ النساء میں بھی سلام کے معنی بیان کیے گئے ہیں لفظ تحیۃ کا مادہ حی ہے جس کے معنی زندگی ہے۔ تحیۃ اصل میں یہ ہے کہ دوسرے کو حیاک اللہ کہے یعنی زندگی کی دعا دے۔ پھر ہر ایک دعا پر اس کا استعمال ہوا ہے اور ایک دوسرے کو ملنے پر جو دعا دی جاتی ہے وہ بھی تحیۃ

ہے اور اسلام کا تحیۃ السلام علیکم ہے اور اس میں دعا بھی ہے۔ ابن العربی فرماتے ہیں۔ اسلام اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ میں سے ایک ہے۔ جس کا مطلب ہے ''اللہ تعالیٰ نگہبان ہو''۔

مذہب اسلام میں سلام کا یہ طریقہ دنیا کے دیگر مذاہب کے تمام طریقوں سے بہتر اور بامعنی ہے جن کی تین وجوہات یہ بیان ہوتی ہیں۔

(۱): سلام صرف محبت اور خلوص کے اظہار ہی کا ذریعہ نہیں ہے بلکہ ایک انتہائی معقول طریقہ سے اپنے بھائی کے لئے ایک مختصر مگر مکمل دعا بھی ہے۔ سلام کرنے والا گویا خلوص دل سے دعا کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ صرف یہ کہ آپ کو سلامتی دے بلکہ آپ کو ہر دکھ، تکلیف، مصیبت، پریشانی اور ہر رنج سے محفوظ اور مامون رکھے۔ یہ طریقہ سلام اس طریقہ سلام سے کہیں زیادہ بامعنی اور جامع ہے جو ظہور اسلام سے قبل اہل عرب ایک دوسرے کے لئے استعمال کرتے تھے۔

(۲): سلام کا یہ طریقہ ہمیں بار بار یاد دلاتا ہے کہ ہم ہر حالت میں اللہ کے محتاج ہیں اللہ کی مرضی کے بغیر نہ کوئی کسی کو کوئی فائدہ پہنچا سکتا ہے اور نہ ہی نقصان۔ اس طرح سلام ہر مسلمان کو اپنے عبد اور اللہ کے معبود ہونے کا احساس دلاتا رہتا ہے۔

(۳): یاد رکھیے کہ جب بھی کوئی آپ کو یا آپ کسی کو سلام کرتے ہیں تو آپ دونوں گویا اس بات کا عہد کرتے ہیں بلکہ آپ ایک طرح سے اللہ کو حاضر و ناظر جان کر یہ کہتے ہیں کہ اے میرے بھائی تجھے میری زبان اور میرے ہاتھ سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا بلکہ یہ وعدہ بھی کرتے ہیں کہ تیری زندگی اور تیری عزت اور آبرو پر بھی میری طرف سے کوئی آنچ نہیں آئے گی۔

ابن العربی احکام القرآن میں فرماتے ہیں:

تم جانتے ہو سلام کیا ہے؟ سلام کرنے والا اس بات کا اعلان کر رہا ہے کہ تمہیں اس کی طرف سے کسی بھی قسم کا کوئی بھی نقصان نہیں پہنچے گا۔ اس لئے ہم اس سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں۔

(۱): سلام اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے اور جامع دعا ہے۔

(۲): سلام ایک یاد دہانی ہے۔

(۳): سلام دو مسلمانوں کے درمیان محبت اور خلوص کا عہد ہے۔

(۴): سلام ایک عہد ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی عزت و آبرو کا محافظ اور نگہبان ہے۔

سرکار دو عالم صلعم نے فرمایا:

''سچا مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے اس کے مسلمان بھائی کو کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ پہنچے۔''

اگر ہم مسلمان صرف ایک اس حدیث کو سمجھ کر اس پر عمل پیرا ہو جائیں تو آج بھی پوری اُمت مسلمہ محبت اور خلوص کے اٹوٹ بندھن میں بندھ سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ کے رسول صلعم نے سلام کی عادت عام کرنے کی ضرورت پر زور دیا ہے اور فرمایا کہ یہ سب نیک کاموں میں سے ایک نہایت اہم نیکی ہے۔ اس بارے میں احادیث موجود ہیں جن سے سلام کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں:

''میں نے اللہ کے رسول صلعم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ تم اس وقت تک جنت میں نہیں جا سکتے جب تک کہ تم مومن (ایمان والے) نہ ہو۔ اور تم ایمان والے اس وقت تک نہیں ہو سکتے جب تک کہ تم اپنے مسلمان بھائی سے محبت اور خلوص سے پیش نہ آؤ۔ آؤ آج میں تم کو ایسی بات بتاؤں جس کے عام کرنے سے تمہاری باہمی محبت میں یقیناً اضافہ ہوگا اور وہ یہ ہے کہ تم جب بھی اپنے کسی مسلمان بھائی سے ملو تو اسے سلام کرو۔ چاہے تم اسے جانتے ہو یا نہ جانتے ہو۔'' (مسلم)

عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں: ''کسی نے اللہ کے رسول صلعم سے پوچھا تمام اعمال میں سب سے اچھا عمل کونسا ہے؟ آپ صلعم نے فرمایا:

(۱): دوسروں کو کھانا کھلانا۔

(۲): آپس میں سلام قائم کرنا۔ چاہے تم اسے جانتے ہو یا نہ جانتے ہو۔

رسول اللہ صلعم نے فرمایا تم میں اللہ کے سب سے نزدیک وہ شخص ہے جو سلام میں پہل کرتا ہے۔'' (ابوداؤد)

ہم کو چاہیے کہ اگر ہم کسی وجہ سے ناراض بھی ہیں یا اگر ہم اس شخص کو اپنی نظروں میں اچھا نہیں جانتے تو بھی اسلام نے ہمیں یہ اجازت نہیں دی کہ تم اس کے سلام کا جواب نہ دو۔ ایسا ہرگز نہیں کرنا چاہیے کیونکہ تین دن سے زیادہ ترک تعلق نہیں کرنا چاہیے۔ ایسے دو آدمی جن میں ناراضگی یا لڑائی ہو وہ کہیں ملیں اور ان

میں سے ایک السلام علیکم کہے اور دوسرا جواب نہ دے تو وہ گنہگار ہوگا۔

سرکارِ دو عالم صلعم کا ارشاد ہے:

دو آدمیوں کے درمیان صلح کروانا، روزہ اور نماز سے افضل ہے کہ مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ تین رات سے زیادہ اپنے بھائی سے میل جول نہ رکھے۔ یہ بھی جائز نہیں کہ جب دو مخالف اکٹھے ہو جائیں تو وہ ایک دوسرے سے منہ موڑ لیں۔ اُن میں سے بہتر وہی ہے جو سلام میں پہل کرے جس نے اپنے بھائی سے ملنا ایک سال تک چھوڑ دیا گویا اس نے اس کا خون کر دیا۔

اتنی سختی سے آگاہ کیا جا رہا ہے۔ بتایا جا رہا ہے، وارننگ دی جا رہی ہے کہ آپس میں لڑائی جھگڑا ہو ہی جاتا ہے۔ انسان غلطی کا پتلا ہے۔ درگزر کر لینا چاہیے۔ آپس میں صلح کر لینی چاہیے۔ ایک دوسرے کو معاف کر دینا چاہیے۔ بہادر وہی شخص ہے جو سلام کرنے میں پہل کرتا ہے۔

آنحضرت صلعم کی زندگی اور تعلیمات کامل طور پر پُر از اخلاقیات ہیں جن میں ہر ایک پر ایک ہی مقام پر بات کرنا ناممکن ہے۔ آپ صلعم کی تعلیمات کے گلشن میں سے چند پھول پیش کیے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اسلام کی تعلیمات کی طرف رجوع کریں اور اطاعتِ خدا اور رسول کا جوا اپنی گردن پر قبول کر لیں یہ وہ سر اور راز ہے جس میں فلاح و کامیابی کا گر مضمر ہے۔

درخواست دُعا

جماعت کے انتہائی اہم اور فعال رکن محترم ابرار احمد سیال صاحب گذشتہ دنوں دل کے عارضہ میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ ان کے کندھوں پر جماعت کی بہت سی ذمہ داریاں اور بوجھ ہے، ہم اللہ سے دل کی گہرائیوں کے ساتھ دعا گو ہیں کہ اللہ ہمارے اس بھائی کو جلد از جلد صحت کاملہ عطا فرمائے اور وہ پہلے کی طرح دینی اور جماعتی خدمات میں اپنا حصہ بھرپور انداز میں ڈالتے رہیں۔ تمام جماعت سے درخواست ہے کہ اُن کے لئے اپنی نمازوں میں گڑگڑا کر دعائیں کریں کہ اللہ انہیں صحت والی لمبی زندگی عطا فرمائے۔ آمین

☆☆☆☆

مبارک باد

محترم یاسر عزیز صاحب (لاہور) کے ہاں کیم ستمبر 2016ء کو ایک بیٹے کی ولادت ہوئی جس کا نام خاندان کے بزرگوں نے ''فرقان عزیز'' تجویز فرمایا۔

احباب جماعت یاسر عزیز صاحب کو اس دعا کے ساتھ مبارک باد پیش کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس نومولود کو والدین کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور دین کا خادم بنائے (آمین)

اپیل دستکاری

ہر سال مرکز میں تنظیم خواتین کے زیر اہتمام نہایت خوبصورت دستکاری کی نمائش بھی کی جاتی ہے۔ ان اشیاء کے فروخت سے ملنی والی رقم دینی اور فلاحی کاموں پر خرچ کی جاتی ہے۔

احمدی بہنوں اور بچیوں سے درخواست ہے کہ دستکاری کی نمائش کو گذشتہ سال سے بڑھ چڑھ کر کامیاب بنائیں۔ اس میں خود بھی حصہ لیں اور دوسری بہنوں کو بھی ترغیب دلائیں۔

شکریہ

بشریٰ علوی

سیکرٹری دستکاری خواتین

انتقالِ پُر ملال

تمام احباب جماعت کو یہ پڑھ کر دِلی دُکھ ہوگا کہ محترم مسعود اختر صاحب (امریکہ) میں گذشتہ دنوں قضائے الٰہی سے وفات پا گئے ہیں۔

''بے شک ہم اللہ کے لئے ہی ہیں اور اُسی کی طرف ہم لوٹائے جائیں گے''

آپ کی نماز جنازہ غائبانہ بعد از نماز جمعہ جامع دارالسلام میں ادا کی گئی۔

اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقامات عطا فرمائے۔ آمین

انگریزی سے ترجمہ: ہما خالد ایم اے

جرمنی میں اپنی نوعیت کی پہلی اور انتہائی خوبصورت مسجد

یہ گذشتہ 90 سال سے زائد تمام مذاہب کے زائرین اور بین المذاہب افہام و تفہیم کی ترویج کا مرکز ہے

اس کے لئے فوری اور فراخدلانہ عطیہ جات کی ضرورت ہے

اس کی ضروری مرمت اور مضبوطی کا کام تین مراحل میں مکمل ہوگا

عامر عزیز الازھری، امام مسجد برلن

تحریک احمدیہ لاہور کے ممبران نے 1922 سے 1927 کے دوران ولمرسڈورف برلین کے خوبصورت علاقہ میں اس مسجد کی تعمیر کی۔ تعمیر کے کچھ ہی عرصہ بعد یہ مسجد یورپ کے مسلمانوں اور تمام مذاہب کے لوگوں کے لئے ایک متحرک مرکز بن گئی کہ جہاں بین المذاہب ہم آہنگی کے مباحثوں کو فروغ ملا۔ اسلام کی حقیقی اور ترقی پسند سوچ اور مسلمانوں کے مذہبی اور سماجی نقطہ نظر کو پیش کرنے کے حوالے سے مسجد کو بہت کم مدت میں مقبولیت حاصل ہوگئی۔ برلین مسجد سے اسلام کے متعلق انتہائی دانشمندانہ اور ترقی پسند موقف کی پیشکش کے ذریعہ یہ مشرقی یورپ کے مسلمانوں کی رہنمائی کا مرکز بنی۔

1924 میں یہیں سے مسلمانوں کے لئے روشن خیال مضامین پر مشتمل پہلا اسلامی رسالہ ''مسلمش ریویو'' زیرادارت حضرت مولانا صدرالدین صاحب جاری ہوا جس میں قرآن اور مستند احادیث کی روشنی میں اسلام کے حقیقی نقطہ نظر کو پیش کیا گیا۔ اس میں ایسے مضامین بھی شائع کیے گئے جن میں مغرب میں اسلام کے بارے غلط تصورات اور غلط فہمیوں کو دور کرنے کی مدلل بھرپور کوشش کی گئی۔

یورپ میں فروغ اسلام کے لئے تحریک احمدیت کا اگلا قدم 1939 میں ہی قرآن مجید کا پہلا جرمن زبان میں ترجمہ مع تفسیری نوٹ و عربی متن کی اشاعت تھا۔ یہ ترجمہ حضرت مولانا صدرالدین صاحب کی شب و روز محنت اور ان کے علم قرآن کا نتیجہ تھا۔ مسجد کی تعمیر کے بعد قرآن مجید کے ترجمہ کی اشاعت ان کا دوسرا شاہکار تھا۔

برلین مسجد مغل اور سپین کے مور فن تعمیر کا ایک شاندار امتزاج تھی۔ بھارت کے تاج محل کی غالب خصوصیات کی حامل اس مسجد نے جلد ہی مسلمانوں اور غیر مسلموں کے دل موہ لئے اور سیاحوں نے اسے ''منی تاج محل'' کے نام سے منسوب کر دیا۔ برلین آنے والے سیاحوں کی فہرست میں برلین مسجد سرفہرست ہے۔ جرمنی کے اتحاد کے بعد اس تاریخی شہر کی پرانی عظمت واپس آگئی ہے اور برلین مسجد میں زائرین کی تعداد میں بھی دن بدن اضافہ ہو رہا ہے۔

بدقسمتی سے جنگ عظیم دوم کے دوران مسجد کا گنبد اور ایک مینارہ بری طرح متاثر ہوئے۔ مسجد اور امام کی رہائش گاہ کی عمارتوں کو نقصان پہنچا۔ لاہور احمدیہ انجمن کے محدود وسائل کے باوجود جماعت کے مخلص احباب و خواتین کی جانب سے فراخدلانہ عطیات دئے گئے اور فوری مرمت کا کام شروع ہوا۔ بعد ازاں، گنبد اور مینارہ کی مکمل تعمیر، مسجد کی اندرونی مرمت اور رنگ و روغن اور امام کی رہائش گاہ کی مرمت محکمہ آثار قدیمہ کی جانب سے تین مراحل میں مکمل کی گئی۔ کل خرچ کا دس فیصد مرکزی احمدیہ انجمن لاہور نے ادا کیے۔ ان مراحل کی نگرانی امریکہ جماعت کے محترم ڈاکٹر نعمان الٰہی ملک صاحب اور محترمہ ثمینہ ملک صاحبہ کرتے رہے۔

یہ تاریخی مسجد جنگ عظیم دوم کے دوران پہنچنے والے نقصانات سے ابھی تک پوری طرح محفوظ نہیں ہوسکی اور اب بھی اس کی دیواروں اور چھت کو مضبوطی فراہم کرنے

اور مرمت کی ضرورت ہے۔ محکمہ آثار قدیمہ کے تعاون سے ضروری مرمت اور مضبوطی کے کام مزید تین مراحل میں مکمل ہوں گے۔ پہلے مرحلے پر کام جاری ہے۔

مرمت کی مختصر تفصیلات اور لاگت درج ذیل ہے:

1۔ مرمت کے پہلے مرحلے کا کام 30 اکتوبر 2016 تک مکمل ہو جائے گا۔

2۔ احمدیہ انجمن لاہور کل لاگت کا 80 فیصد ادا کرے گی جبکہ برلین کا محکمہ آثار قدیمہ بقایا 20 فیصد ادا کرے گا۔ اس سے قبل محکمہ آثار قدیمہ کا کل لاگت میں شراکت کا تناسب 90 فیصد تھا جبکہ احمدیہ انجمن لاہور 10 فیصد ادا کرتی تھی۔ لیکن جرمنی کی حالیہ اقتصادی مشکلات کی وجہ سے محکمہ آثار قدیمہ کی شراکت کا تناسب 90 فیصد سے کم ہو کر اب 20 فیصد رہ گیا ہے۔ اس سے مرکزی احمدیہ انجمن لاہور پر کافی مالی بوجھ آن پڑا ہے۔

3۔ برلین مسجد کی مرمت کا پہلا مرحلہ: یکم مئی سے شروع کیا گیا اور انشاء اللہ 30 اکتوبر 2016 تک مکمل ہو جائے گا۔ کل لاگت کا 80 فیصد جو کہ قریباً 1,35000 یورو بنتا ہے، لاہور احمدیہ انجمن ادا کرے گی۔

4۔ دوسرے اور تیسرے مرحلہ میں مندرجہ ذیل کام کئے جائیں گے۔

- گنبد کے اردگرد اور مسجد کی دیواروں اور گنبد کے درمیان چھت مکمل طور پر تبدیلی کی جائے گی۔ اس سے بارش کی وجہ سے جو پانی چھتوں کے ذریعہ دیواروں کو خراب کر رہا تھا وہ بند ہو جائے گا۔
- چھوٹے میناروں کی مرمت کی جائے گی۔
- منڈیروں اور آرائشی پیاز نما ڈھانچوں کی مرمت کی جائے گی۔
- تمام زنگ آلود لکڑی کے شہتیر تبدیل کیے جائیں گے۔
- چھت کے قریب چار عدد کھڑکیوں کی مرمت کی جائی گی۔
- مسجد کی بیرونی دیواروں کے خراب حصوں پر پلستر اور مکمل رنگ و روغن کیا جائے گا۔

تحریک احمدیہ لاہور کے موجودہ امیر جناب حضرت ڈاکٹر عبدالکریم سعید پاشا صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے گذشتہ سال دسمبر میں اس سلسلہ میں ایک خصوصی اپیل کا آغاز کیا تھا، جس کے جواب میں عطیہ جات کا سلسلہ شروع ہو چکا ہے۔ مختلف ممالک کے متفرق شہروں سے عطیہ جات اکٹھے کر کے برلین بھیجے جا رہے ہیں۔

13 اگست 2016ء کو برلین مسجد کی مجلس منتظمہ کا خصوصی اجلاس زیر صدارت حضرت امیر ایدہ اللہ ہوا۔ اس میں محترم میاں عمر فاروق صاحب (نائب صدر مرکزی احمدیہ انجمن لاہور)، محترم سعادت احمد صاحب (محاسب مرکزی احمدیہ انجمن لاہور)، محترم اے ایس سنتو صاحب (ہالینڈ)، عامر عزیز صاحب (امام وسیکرٹری برلین مجلس منتظمہ)، ناصر احمد صاحب (انگلستان) اور سکائپ پر محترم شاہد عزیز صاحب (صدر احمدیہ انجمن انگلستان) نے شرکت کی۔ اس کے علاوہ آرکیٹیکٹ اور محکمہ آثار قدیمہ کے ذمہ دار لوگوں سے بھی کئی اجلاس ہوئے۔ پاکستان سے محترم میاں عمر فاروق صاحب نائب صدر اور محترم سعادت احمد صاحب (محاسب) مرکزی انجمن نے ان اجلاسوں میں کافی تفصیل سے مرمت کے کام اور ان پر اٹھنے والے اخراجات کا جائزہ لیا۔ محترم سعادت احمد صاحب نے خود اوپر چڑھ کر کئی مرتبہ مرمت کے کام کا جائزہ لیا اور آرکیٹیکٹ سے جاری کام کے متعلق آگاہی حاصل کی۔ اس کے علاوہ عامر عزیز صاحب تقریباً روزانہ اوپر جا کر کام کی رفتار کا جائزہ لیتے ہیں۔

حضرت امیر ایدہ اللہ فاروقی سلیمہ ٹرسٹ لاہور سے بھی حسب گنجائش رقوم کی فراہمی فرما رہے ہیں۔

جو احباب یا جماعتیں عطیہ براہ راست برلین بھیجنا چاہیں تو بینک اکاؤنٹ کی تفصیل درج ذیل ہے:

Bank: Berliner Volksbank
Account Holder: Ahmadiyya Anjuman Ishaat-i-Islam
Lahore, Deutschland e.V.
IBAN: DE47 1009 0000 2594 7940 04
It is also Account Number
BIC/SWIFT CODE: BEVODEBB
BANK Address: postanschrift: 108
92 Berlin | Kurfürstendamm 46,
10707 Berlin, Germany

☆☆☆☆

مدثر عزیز (مدیر) پیغام صلح انٹرنیشنل نے دفتر 8-7 برنیئر سٹریٹ 10713 برلن (جرمنی) سے شائع کیا

ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ؐ کمالِ تمام کا مجسم نمونہ

از قلم حضرت مسیح الزماں مجدّد صد چہاردہم ؑ

’’وہ انسان جس نے اپنی ذات سے اپنی صفات سے اپنے افعال سے اپنے اعمال سے اور اپنے رُوحانی اور پاک قوٰے کے پُرزور دریا سے کمال تمام کا نمونہ عِلماً و عملاً و صدقاً و ثباتاً دکھلایا اور انسان کامل کہلایا۔۔۔۔ وہ انسان جو سب سے زیادہ کامل اور انسانِ کامل تھا اور کامل نبی تھا اور کامل برکتوں کے ساتھ آیا تھا جس سے روحانی بعث اور حشر کی وجہ سے دُنیا کی پہلی قیامت ظاہر ہوئی اور ایک عالم کا عالم مرا ہوا اُس کے آنے سے زندہ ہو گیا وہ مبارک نبی حضرت خاتم الانبیاء امام الاصفیاء ختم المرسلین فخر النبیین جناب محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اے پیارے خُدا اس پیارے نبیؐ پر وہ رحمت اور درود بھیج جو ابتدائے دُنیا سے تُو نے کسی پر نہ بھیجا ہو۔ اگر یہ عظیم الشان نبیؐ دنیا میں نہ آتا تو پھر جس قدر چھوٹے چھوٹے نبی دنیا میں آئے ہیں جیسا کہ یونسؑ اور ایوبؑ اور مسیحؑ ابن مریم اور ملاکیؑ اور یحیٰؑ اور زکریاؑ وغیرہ وغیرہ ان کی سچائی پر ہمارے پاس کوئی بھی دلیل نہیں تھی اگرچہ سب مقرب اور وجیہہ اور خدا تعالےٰ کے پیارے تھے۔ یہ اُسی نبیؐ کا احسان ہے کہ یہ لوگ بھی دُنیا میں سچے سمجھے گئے۔‘‘ (اتمام الحجۃ)